مرکز برائے فاصلاتی و آنلائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

کلاس ایم۔اے

سمسٹر دوم

مضمون : اردو زبان کی تاریخ	یونٹ : I-IV
کورس نمبر : 201	سبق : 1-15

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک
کورس کوآرڈی نیٹر، ایم اے اردو، سی، ڈی، او، ای
صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ اسسٹنٹ پروفیسر
انچارج ٹیچر، اردو
سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

© جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں جموں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

مضمون نگار:

1۔ **ڈاکٹر فرحت شمیم**

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی

2۔ **ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ اسسٹنٹ پروفیسر**

انچارج ٹیچر، اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔

اڈیٹنگ/ پروف ریڈنگ:۔

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

انچارج ٹیچر، اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔

استقبالیہ پیغام

عزیز متعلّم!

میں آپ کا خیر مقدم ہے سمسٹر دوم کے کورس ''اردو زبان کی تاریخ''

یہ کورس اردو زبان کے آغاز، ارتقا اور تاریخی پس منظر کے منظّم مطالعے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے آپ زبان کی تعریف اور اس کی قسموں سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے آغاز سے متعلق مختلف نظریات اور ماہرینِ لسانیات کی آرا کا مطالعہ کریں گے۔ نیز اردو زبان کے مختلف ادوار، خصوصاً قدیم اردو، دکنی اردو، شمالی ہند میں اردو کے فروغ اور جدید اردو کے ارتقائی مراحل کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔ اس کورس میں اردو کی اہم علاقائی بولیوں اور ان کی خصوصیات کا تعارف بھی شامل ہے۔ مزید برآں اردو رسم الخط، اس کے آغاز و ارتقا اور اردو املا سے متعلق بنیادی مباحث کا مطالعہ بھی آپ کی لسانی معلومات میں اضافہ کرے گا۔

یہ کورس نہ صرف اردو زبان کے تاریخی سفر کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا بلکہ زبان کی تشکیل و ترقی میں مختلف لسانی، سماجی اور تہذیبی عوامل کے کردار سے بھی آپ کو آگاہ کرے گا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں گے اور سرگرمیوں میں حصہ لیں گے۔ مزید معلومات اور گہرے مطالعے کے لیے کتاب کے آخر میں موجود متعلقہ کتب سے بھی رجوع کریں۔

آپ کی علمی ترقی اور کامیابی کے لیے نیک خواہشات۔

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسسٹنٹ پروفیسر، اردو

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

جموں یونیورسٹی، جموں

Syllabus and Courses of Study in the Subject of Urdu under NON-CBCS Scheme (CDOE)

SEMESTER- II
COURSE CODE URD-201

Examination to be held in May 2026,2027 and 2028.

Title : History of urdu Language	Credits :4
Duration of Examination 2:30 hours	Maximum Marks ; 100
	a) Semester Exam ; 70
	b) Internal Assessment : 30

Objectives:

This course deals with urdu linguistics. An effort shall be made acquaint the students with various aspects of Urdu language, particularly those specified below:

Unit-1

۱۔ زبان کی تعریف اور اس کی قسمیں

۲۔ اُردو زبان کے آغاز کے نظریے

۳۔ ہندوستانی زبانوں کے خاندان (اسٹرک، دراوڑ، تبّتی، چینی اور ہند آریائی)

Unit-II

۱۔ ہند آریائی زبان۔ تاریخی وسماجی پس منظر

۲۔ ہند آریائی خاندان کا ارتقاء (قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی، جدید ہند آریائی۔)

۳۔ جدید ہند آریائی زبان۔ اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم

۴۔ مغربی ہندی اور اس کی بولیاں (کھڑی بولی، برج بھاشا، ہریانوی، بندیلی، قنوبی)

Unit-III

۱۔ اُردو زبان۔ تاریخی اور سماجی پس منظر

۲۔ اُردو زبان کے آغاز و ارتقاء کا تہذیبی و ثقافتی پس منظر

۳۔ اُردو زبان کا ارتقاء (جنوبی ہند اور شمالی ہند)

۴۔ اُردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی خدمات

Unit-IV

۱۔ اُردو اور برج بھاشا (محمد حسین آزاد کا نظریہ)

۲۔ اُردو اور پنجابی (محمود شیرانی کا نظریہ)

۳۔ اُردو۔ کھڑی بولی اور ہریانوی (مسعود حسین خاں کا نظریہ)

۴۔ اُردو اور رسم الخط

Internal Assessment carry 30% marks in each course .The format of the Internal Assessment Assignments is given below:

ASSIGNMENT 1:Long Answer Questions

Two questions : one each from unit 1 and unit 11 shall be given.And the learner has to attempt any one question in 800-1000 words.

Assignment 2;Short Answer Questions.

Three questions;one each from unit III,unit IV shall be given. And the learner has to attemt ant twwo questions one from unit III, Unit IV and one from Unit V in 350-450 words.

Mode of examination:-

There are four units in the course No:-201

Mode of the examination:-The term end examination shall carry 70%marks in each course.The format of the question paper is given below.

Term End Examination would be of 70marks.Two short type questions from unit I and II having 7marks each be asked.Two descriptive type questions from unit III and IV of 14marks each be asked .Two short type questions from unit III and IV having 7marks each be asked.14objectives type questions of 14 marks carrying 1 mark each be also asked from Unit III and IV.

حوالہ جاتی کتب Books Recommended

۱۔ زبان اور علم زبان۔ پروفیسر عبدالقادر سروری۔

۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو۔ڈاکٹر مسعود حسین خان

۳۔ پنجاب میں اُردو۔حافظ محمود شیرانی

۴۔ ہندوستانی لسانیات۔محی الدین قادری زور

۵۔ آب حیات (مقدمہ)۔محمد حسین آزاد

۶۔ لنگوسٹک سروے آف انڈیا، جلد نہم، حصہ اول۔گریرسن۔

۷۔ داستان زبان اردو۔ڈاکٹر شوکت سبزواری

۸۔ لسانی مطالعے۔ڈاکٹر گیان چند جین

۹۔ اُردو زبان کا آغاز۔مختلف نظریے اور حقائق۔ڈاکٹر خورشید حمر اصدیقی۔

۱۰۔ اردو زبان کی ابتدا۔ڈاکٹر خورشید حمر اصدیقی

۱۱۔ تاریخ زبان اردو۔پروفیسر نصیر احمد خان

۱۲۔ لفظوں کی کہانی۔زیدی مبشر علی

فہرست

۱۔ زبان کی تعریف اور اس کی قسمیں 7

۲۔ اُردو زبان کے آغاز کے نظریے 20

۳۔ ہندوستانی زبانوں کے خاندان (اسٹرک، دراوڑ، تبتی، چینی اور ہند آریائی) 30

Unit-II

۴۔ ہند آریائی زبان۔تاریخی وسماجی پس منظر 46

۵۔ ہند آریائی خاندان کا ارتقاء (قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی، جدید ہند آریائی۔) 61

۶۔ جدید ہند آریائی زبان۔اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم 74

۷۔ مغربی ہندی اور اس کی بولیاں (کھڑی بولی، برج بھاشا، ہریانوی، بندیلی، قنوجی) 92

Unit-III

۸۔ اُردو زبان۔تاریخی اور سماجی پس منظر 104

۹۔ اُردو زبان کے آغاز و ارتقاء کا تہذیبی وثقافتی پس منظر 121

۱۰۔ اُردو زبان کا ارتقاء (جنوبی ہند اور شمالی ہند) 129

۱۱۔ اُردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی خدمات 144

Unit-IV

۱۲۔ اُردواور برج بھاشا(محمد حسین آزاد کا نظریہ) 157

۱۳۔ اُردواور پنجابی (محمود شیرانی کا نظریہ) 167

۱۴۔ اُردو۔کھڑی بولی اور ہریانوی (مسعود حسین خاں کا نظریہ) 175

۱۵۔ اُردواور رسم الخط 185

سبق نمبر:ا:۔ زبان کی تعریف اوراس کی قسمیں

ساخت:۔

1.0۔ اغراض ومقاصد
1.1۔ تعارف
1.2۔ زبان کی تعریف
1.3۔ زبان کی قسمیں
سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)
1.4۔ عمومی جائزہ
1.5۔ فرہنگ
1.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
1.7۔ مشقی سوالات
1.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی
1.9۔ امدادی کتب

1.0 ۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:

زبان کی تعریف اوراس کے بنیادی مفہوم سے آگاہ ہوں گے۔انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت اورافادیت کوسمجھ سکیں گے۔زبان کے ابلاغی کرداراوراس کے مختلف استعمالات سے واقف ہوں گے۔زبان کی مختلف اقسام اوران کی خصوصیات کے بارے میں جانیں گے۔زبانی، تحریری اوراشاراتی زبان کے فرق کوسمجھ سکیں گے۔معاشرتی اورثقافتی ترقی میں زبان کے کردار کا ادراک حاصل کریں گے۔زبان کی اقسام کے عملی استعمال اوران کی ضرورت کو پہچان سکیں گے۔

1.1۔تعارف:۔

خدانے انسان کونطق کی صلاحیت بخشی ہے،اسی لیےانسان دیگر جانوروں (ذی حیات مخلوق) کے مقابلے میں حیوانِ ناطق کہلاتا ہے۔ نطق کی ترسیل کا وسیلہ لفظ ہوتا ہے جوآواز یا آوازوں پرمشتمل ہوتا ہےجنہیں ہم حروف کہتے ہیں۔الفاظ اپنی آوازی لہروں کی شکل میں اصوات کہلاتے ہیں جن کے مجموعے سے قابلِ سماعت کلام بنتا ہے۔یہی کلام جب املا کی شکل اختیار کر لیتا ہےتوتحریر کہلاتا ہے۔کلام کے ذریعے انسان اپنے فکر،خیال،احساسات،جذبات اوروجدان کا اظہار کرتا ہے۔زبان ایک سماجی ضرورت ہے۔زبان سماج ہی میں بنتی،سنورتی اور بگڑتی ہے۔ یہ سماج کو جوڑتی ہے،تہذیب وتمدن کی تعمیر وتشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہےاورانسان کومل جل کر رہنےسہنے کے قابل بناتی ہے۔اگرزبان نہ ہوتی توانسانی معاشرت اورتہذیب کی صورتِ حال یقیناً کچھ اور ہوتی۔کوئی زبان موروثی نہیں ہوتی بلکہ زبان دراصل ماحول کی دین ہوتی ہے،وراثت کی نہیں۔ایک بچہ جس لسانی ماحول میں پرورش پاتا ہے وہی زبان سیکھ لیتا ہے۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص اگراپنے لسانی ماحول سے طویل عرصے تک کٹ جائے تو وہ اپنی مادری زبان کی مہارت بھی کھو بیٹھتا ہے۔نہ صرف زبان کی مہارت متاثر ہوتی ہے بلکہ اس زبان کا کلچر،تہذیب و تمدن بھی اس سے دور ہو جاتا ہے،جبکہ موجودہ ماحول کی غالب زبان اوراس کی تہذیب کے نمایاں اثرات غیرمحسوس طور پراس کی شخصیت میں شامل ہو جاتے ہیں۔دنیا کی ہرزندہ زبان تغیر پذیر ہوتی ہے،اگرچہ تغیر کی رفتار میں سستی یا تیزی ہوسکتی ہے۔کسی بھی زبان کے آغاز اورارتقاپرغور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک زبان سے کئی زبانیں وجود میں آتی ہیں یا کئی زبانوں کا کسی ایک زبان پر گہرا اثر پڑتا ہے۔انہی تغیرات،اشتراکات اورداخلات کے نتیجے میں نئی زبانیں جنم لیتی ہیں۔زبانوں کا یہ تغیر دس یا بیس سال کا عمل نہیں بلکہ صدیوں پرمحیط ہوتا ہے۔ ایک زبان وقت کے ساتھ اس قدر بدل جاتی ہے کہ اسے ایک نئی زبان قرار دیا جانے لگتا ہے۔مثال کے طور پردکنی زبان اردو کی ایک ابتدائی شکل

تھی جس میں اعلیٰ پائے کا شعری اور نثری سرمایہ موجود تھا،لیکن وقت کے تقاضوں اور انسانی میل جول کے باعث اس زبان میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ آج وہ اپنی سابقہ علمی وادبی حیثیت برقرار نہ رکھ سکی۔

1.2۔زبان کی تعریف:۔

زبان روزمرہ کی چیز ہےاور وہی زبان زندہ رہتی ہے جس کے بولنے والے سڑکوں اور بازاروں میں نظر آتے ہیں۔یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ زبان خیالات،احساسات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے۔اس میں زیادہ تر قوتِ گویائی شامل ہے۔ماہرِ لسانیات ہنری سوئٹ کا ماننا ہے کہ تکلم کے سبب جو آوازیں نکلتی ہیں اور جن سے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے،وہی زبان ہے۔ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی رقم طراز ہیں کہ اصطلاح میں زبان سے مراد وہ مخصوص آوازیں ہیں جو انسان بالمقصد نکالتا ہے اور جن کے ذریعے اپنا ذہنی مفہوم واضح کرتا ہے۔پروفیسر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ زبان چند ایسی مخصوص آوازوں کا ایک مجموعہ ہوتی ہے جو صوتی اعضاء کے عمل سے وجود میں آتی ہیں۔ان آوازوں سے الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ جب مخصوص ترکیبوں میں آتے ہیں تو جملے وجود میں آتے ہیں۔اس طرح آواز سے لے کر جملے تک ایک نظام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اقتدار حسین خان لکھتے ہیں کہ لسانیات کی رو سے زبان کی تعریف یوں کی جاتی ہے:''زبان ایک ایسے خود اختیاری اور روایتی صوتی علامتوں کے نظام کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے سماج میں اظہارِ خیال کے لیے استعمال کرتا ہے۔'' گویا زبان ہی سماج اور تہذیب کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔

زبان (Language) یعنی لسان: رابطے کا ایک ذریعہ جسے معلومات کا تبادلہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔معلومات کا تبادلہ تحریری طور پر،اشاروں سے،اشتہارات یا بصری مواد کے استعمال سے،علامتوں کے استعمال سے یا براہِ راست کلام سے ممکن ہے۔انسانوں کے علاوہ مختلف جاندار بھی آپس میں تبادلہ معلومات کرتے ہیں،مگر زبان سے عموماً وہ نظام مراد لیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان ایک دوسرے سے معلومات وخیالات کا تبادلہ کرتے ہیں۔دنیا میں اس وقت بھی ہزاروں مختلف زبانیں موجود ہیں جن میں سے کئی بڑی تیزی سے ناپید ہو رہی ہیں۔ مختلف زبانوں کی تخلیق وترقی کا تجزیہ لسانیات کی مدد سے کیا جاتا ہے۔عام طور پر زبانیں معاشرے کی ضرورت اور ماحول کے اعتبار سے ظہور پذیر ہوتی اور برقرار رہتی ہیں،لیکن زبانیں مصنوعی بھی ہوتی ہیں،مثلاً:اسپیرانتو (Esperanto) اور وہ زبانیں جو کمپیوٹرز (Computers) میں استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن لسانیات (Linguistics) ایک ایسا مضمون ہے جس میں انسانی زبانوں کا،زبانوں کی موجودہ صورت کا اور زبانوں میں وقت کے ساتھ ساتھ ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔اس علم میں مختلف زبانوں کی آپس میں مشابہت کے بارے میں مطالعے کے

ساتھ ساتھ اس بات کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے کہ زبانوں کا اس دنیا کی دیگر چیزوں کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ گویا لسانیات دراصل وہ علم ہے جس میں صرف انسانی زبان پر بحث کی جاتی ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے نظام کا مطالعہ نہیں کیا جاتا۔

لسانیات کی کئی اقسام ہیں، مثلاً: عمومی لسانیات، تاریخی لسانیات، تقابلی لسانیات، تشریحی لسانیات، اطلاقی لسانیات اور توضیحی لسانیات۔ چیکوسلواکیہ کی ایک مثل ہے کہ: ''ایک نئی زبان سیکھو اور ایک نئی روح حاصل کرو۔''

Learn a new language and get a new soul.

یہ ایک حقیقت ہے کہ زبان کا بہت گہرا تعلق انسان کے ذہنی ارتقا سے ہے۔ اگر چہ زیادہ زبانیں جاننا بذاتِ خود انسانی ارتقاء کے لیے ضروری نہیں، لیکن انسانی ارتقا کا تجربہ وہی لوگ کرتے ہیں جو ایک سے زیادہ زبانیں جانتے ہوں۔ مصر کے مشہور ادیب ڈاکٹر احمد امین نے اپنی خودنوشت سوانحِ عمری میں لکھا ہے کہ پہلے میں صرف اپنی مادری زبان (عربی) جانتا تھا۔ اس کے بعد میں نے انگریزی سیکھنا شروع کی۔ غیر معمولی محنت کے بعد میں نے یہ استعداد پیدا کر لی کہ میں انگریزی کتب پڑھ کر سمجھ سکوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب میں انگریزی سیکھ چکا تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا پہلے میں صرف ایک آنکھ رکھتا تھا اور اب میں دو آنکھوں والا ہو گیا ہوں۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کے مطابق:

لسانیات (Linguistics) کا اردو ترجمہ ہے۔ فلالوجی (Philology) کی اصطلاح بھی لسانیات کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے، لیکن فلالوجی نسبتاً ایک وسیع تر اصطلاح ہے جس کے مفہوم میں زبان کے سائنسی مطالعے کے علاوہ ادبیات کا سائنسی مطالعہ بھی شامل ہے۔ محی الدین قادری زور نے لسانیات کو زبان کی پیدائش، ارتقا اور موت سے متعلق علم قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''لسانیات اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے زبان کی ماہیت، تشکیل، ارتقا، زندگی اور موت کے متعلق آگاہی ہوتی ہے۔''

1.3۔ زبان کی قسمیں:۔

مادری زبان، دوسری زبان، سرکاری زبان، قومی زبان، تحریری زبان، اشاراتی زبان، علامتی زبان

مادری زبان:

انگریزی میں اسے (Mother Language/ Native Language) کہتے ہیں یعنی مادری زبان کو زبانِ اول، نسلی زبان، آبائی زبان یا پیدائشی زبان بھی کہا جاتا ہے۔ کسی انسان کی اس زبان کو مادری زبان کہا جاتا ہے جسے وہ بچپن میں ماں باپ سے سیکھ لے اور اس

زبان کو بطور زبانِ اول اختیار کر لے۔

دوسری زبان:

دوسری زبان اس زبان کو کہا جاتا ہے جو کسی انسان کی مادری زبان تو نہ ہو، لیکن اس شخص کے ارد گرد کے ماحول میں بولی جاتی ہو۔

سرکاری زبان:

سرکاری زبان یا دفتری زبان سے مراد وہ زبان ہوتی ہے جسے حکومتی سطح پر کسی ملک، ریاست یا علاقے میں خاص قانونی مقام دیا گیا ہو۔ زیادہ واضح طور پر کسی ملک کی دفتری زبان وہ کہلاتی ہے جسے حکومت (انتظامیہ، عدلیہ، مقنّنہ وغیرہ) میں استعمال کیا جاتا ہو۔ واضح رہے کہ کسی ملک کے باشندے عموماً جو زبان استعمال کرتے ہیں، وہ دفتری زبان نہیں کہلاتی۔ دنیا بھر میں موجود 178 ممالک میں سے ہر ملک اپنی کم از کم ایک دفتری زبان رکھتا ہے، جبکہ ان میں سے 101 ممالک نے ایک سے زائد دفتری زبانیں اختیار کی ہیں۔ تاہم جن ممالک میں دفتری زبان اختیار نہیں کی گئی، وہاں حکومتی اداروں میں عموماً قومی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ انگریزی سب سے زیادہ دفتری زبان کے طور پر استعمال ہوتی ہے، 51 ممالک میں اسے دفتری زبان کا درجہ دیا گیا ہے، جبکہ عربی، فرانسیسی اور ہسپانوی زبانیں بھی بڑے پیمانے پر اختیار کی گئی ہیں۔

قومی زبان:

قومی زبان کسی بھی قوم کی شناختی زبان ہوتی ہے۔ یہ کسی بھی قوم میں بولی جانے والی زبانوں، زبانوں کے لہجوں یا پھر مجموعی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک لحاظ سے قومی زبان کو کسی بھی قوم کی شناخت مانا جا سکتا ہے۔ قومی زبان کا استعمال سیاسی اور قانونی امور کے لیے بھی ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ بعض ممالک اور قوموں میں قومی زبان اور سرکاری زبان کا تصور جدا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان میں اردو قومی زبان ہے جبکہ انگریزی سرکاری یا دفتری زبان کے طور پر رائج ہے۔ اسی طرح بعض ممالک میں ثقافتی و تہذیبی تنوع کی بنیاد پر قومی زبانیں اور سرکاری زبانیں نہ صرف جدا ہوتی ہیں بلکہ ایک سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں، مثال کے طور پر بھارت میں انگریزی اور ہندی سرکاری زبانیں ہیں لیکن مختلف علاقوں میں آباد کئی قوموں کی زبانیں جدا ہیں اور وہ قومی زبانوں کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے کسی ایک قوم یا مملکت میں قومی زبان کا تصور جدا ہو سکتا ہے اور کسی ایک قوم کی قومی زبان کا اطلاق ریاست میں دوسری قوم پر نہیں کیا جا سکتا۔ قومی زبان کا تصور ایک ہی زبان میں پائے جانے والے لہجوں کی بنیاد پر بھی کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چین اور تائیوان میں چینی زبان کے لہجوں کے فرق کے ساتھ قومی اور سرکاری زبان کا تصور بالکل انوکھا ہے۔ اسی طرح تاریخ کا عمل دخل بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شام میں عربی بطور سرکاری و قومی زبان مشہور

ہے مگراب بھی کئی حصوں میں تاریخی شاہی زبان کوقومی زبان کے طور پر مانا جاتا ہے۔ کسی بھی ریاست میں قومی زبانوں کے وجوداور تہذیبی تنوع کی بنیاد پر ہی سرکاری زبان کے تصور نے جنم لیا۔ اب تقریباً ہر ملک میں قومی اور سرکاری زبانیں ایک ہی ہوسکتی ہیں یا پھر دونوں کی آئینی حیثیت جداگانہ بھی موجود ہے۔

تحریری زبان:

تحریری زبان اس زبان کو کہا جاتا ہے جس میں لکھائی کی جاتی ہے۔ ہر زبان کے مختلف لہجے ہوتے ہیں لیکن تحریری زبان اکثر ان تمام لہجوں کا مشترکہ جوڑ ہوا کرتی ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی ایک شخص کی تحریری، قلمی، مادری، دفتری، قومی اور دوسری زبان ایک ہو۔

علامتی زبان:

علامتی زبان ایسی زبان ہے جس میں علامات کی مدد سے کسی سوچ کا ابلاغ کیا جائے۔ علامات متنوع معانی کی حامل ہوتی ہیں، لہٰذا یہ سیدھی سادی لفظیات سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس زبان میں تجریدی رنگ غالب ہوتا ہے۔ لیکن ان تمام زبانوں میں ماہرینِ لسانیات نے زبان کی تین معیاری صورتیں گنوائی ہیں۔

۱۔ اشاری زبان (اشاروں کی زبان)

۲۔ تکلمی زبان (آوازوں کی زبان)

۳۔ تحریری زبان (علامتوں کی زبان)

اشاری زبان:

انسانوں کے اشارے یا اعضا کی مخصوص حرکات بھی زبان کا کام کرتی ہیں۔ ان سے خاص خاص گروہوں میں خاص خاص مفہوم مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ مرحلہ زبان کی نشو ونما میں سب سے پہلا مرحلہ سمجھا گیا ہے۔ انسان اکیلا نہیں رہ سکتا اور قدیم ترین زمانے میں بھی وہ سماجی گروہوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کی نطق یا اس کی تکلم یا بولنے کی صلاحیت کو ابھی نشو ونما نہیں ہوئی تھی۔ لیکن گروہ کی شکل میں رہنے کی وجہ سے اسے اپنے خیالات کو دوسرے ساتھیوں پر ظاہر کرنا بعض اوقات ضروری ہو جاتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ اشاروں سے کام لیتا تھا۔ مثلاً پانی مانگنا ہوتا تو وہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اور کٹورے کی شکل بنا کر بتاتا۔ آج بھی گونگوں سے ایسے اشارے سرزد ہوتے ہیں، ہم سمجھ جاتے ہیں بلکہ ہم خود بھی اکثر اشاروں سے بہت سارے کام لیتے ہیں۔ ہم گفتگو کرتے ہوئے بھی اشاروں سے کام لیتے ہیں اور ان کی مدد سے اپنے

مدعا کو موثر یا واضح بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔حرکات اور اشارے بہت بامعنی اور بعض اوقات پیچیدہ مفہوم کے حامل ہوتے ہیں۔بعض قبائل میں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے، اس لیے ان کا مطالعہ کرنے والے علمانے ان کی لغات اور قواعد مرتب کر دیے ہیں اور یہ اشاری زبان کہلاتی ہے۔

تکلّمی زبان:

تکلّمی زبان کے ذریعے ہم قریب کے یا سامنے کے آدمی پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ، جیسا کہ بتایا گیا ہے، اشاروں سے بھی مدد لے کر اپنے مفہوم کو زیادہ موثر، کارآمد اور دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔علمِ زبان کا موضوع یہی تکلّمی زبان ہے۔

تحریری زبان:

زبان کے ارتقاء میں اگلے دونوں مرحلے ابتدائی عہدوں سے تعلق رکھتے ہیں۔تحریری زبان اس ارتقا کے سلسلے کا سب سے اونچا زینہ ہے، کیوں کہ اس کی مدد سے انسان کے خیالات زماں و مکاں کی قیدوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے افکار ہر وقت کے اور وسیع تر استفادے کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔تاہم، جیسا کہ اوپر بتایا گیا، علمِ زبان کے نقطہ نظر سے زبان کا دوسرا مرحلہ دراصل سب سے زیادہ اہم مرحلہ ہے۔علمانے زبان کے مفہوم کو متعین کرنے کی اپنے اپنے طور پر سعی کی ہے۔مثلاً ہنری سویٹ کا ماننا ہے کہ خیالات کیظاہر کرنے کو زبان کہا جاتا ہے۔ایک اور مصنف نے زبان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''زبان مالفوظ آوازوں کی وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعے سے ایک انسان دوسرے انسان پر اپنے خواہشات اور خیالات کو ظاہر کرتا ہے، غرض جتنی بھی کوششیں زبان کے مفہوم کو متعین کرنے کی کی گئی ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ زبان انسان کے خیالات، تصورات اور خواہشات کو ملفوظ آوازوں کے ذریعے ظاہر کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔''

لسانیات اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے زبان کی ماہیت، تشکیل ارتقا زندگی اور موت کے متعلق آگاہی حاصل ہوتی ہے۔زبان کے بارے میں منظّم علم کو لسانیات کہا جاتا ہے۔ یہ ایسی سائنس ہے جو زبان کو اس کی داخلی ساخت کے اعتبار سے سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ان میں صوات، خیالات، سماجی صورت احوال اور معنی وغیرہ مقامل ہیں۔لسانیات میں زبان خاص معنی میں استعمال ہوتی ہے۔اشاروں کی زبان یا تحریر لسانیات میں مرکزی حیثیت نہیں رکھتی۔لسانیات میں زبانی کلمات کے مطالعے کو تحریر کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔اس کی متعدد وجوہات ہیں۔

ا۔انسانی تہذیب کے ارتقا میں انسان زبان پہلے بولنا شروع ہوا اور تحریر بہت بعد میں ایجاد ہوئی۔

۲۔ بچہ پہلے بولنا شروع کرتا ہے اور بعد میں لکھنا سیکھتا ہے۔

۳۔ دنیا میں سب ہی انسان بولنا جانتے ہیں لیکن مقابلتاً کم لوگ لکھنا جانتے ہیں۔

۴۔ بہت سی ایسی چیزیں جو زبانی گفتگو میں شامل ہوتی ہیں تحریر میں ظاہر نہیں کی جاتیں۔ زبان کی ابتداء کے حوالے سے کچھ مشہور نظریات اس طرح ہیں۔

۱- Gesture theroy کے مطابق انسان نے اپنا مدعا بیان کرنے کیلئے اعضائے بدن کے اشاروں سے کام لیا اور ان میں کچھ صوتی اشارے شامل ہوئے تو زبان بنی۔

۲- Bow -vow theory کے مطابق انسان جانوروں کی آوازوں کی نقل کرتے کرتے خود ایک زبان بولنے لگا۔

۳- Pathogenic Theory کے مطابق انسان کے ذہن سے کرب والم کے زیر اثر جو آوازیں نکلیں ان سے زبان بنی۔

۴- Exclamatory Theory کے مطابق انسان کی زبان سے بوقتِ حیرت واستعجاب اور خوشی اور غمی کے موقع پر جو بے ساختہ آوازیں نکلیں، ان سے زبان بنی۔

۵- Musical Theory کے مطابق انسان نے موسیقی کی آوازوں سے بولنا سیکھا۔

۶- yo-he-theory کے مطابق جسمانی محنت ومشقت کے دوران انسان کے منہ سے جو آوازیں نکلیں، ان سے زبان بنی۔

اس طرح کے اور بھی بہت سے نظریات ہیں۔ لیکن جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے، یہ ایک ہند آریائی زبان ہے، جس کا شمار ہند کی قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''زبان کی تعریف اور اس کی قسمیں'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 1.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

زبان (Language) یعنی لسان: رابطے کا ایک ذریعہ جسے ۔۔۔۔۔۔ کا تبادلہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلومات کا تبادلہ تحریری طور پر، ۔۔۔۔۔، اشتہارات یا بصری مواد کے استعمال سے، ۔۔۔۔ کے استعمال سے یا ۔۔۔۔۔۔ کلام سے ممکن ہے۔ انسانوں کے علاوہ مختلف جاندار بھی آپس میں تبادلہ معلومات کرتے ہیں، مگر زبان سے عموماً وہ نظام مراد لیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان ایک دوسرے سے معلومات و خیالات کا تبادلہ کرتے ہیں۔

1.4۔ عمومی جائزہ

زبان، خیالات، احساسات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر قوتِ گویائی شامل ہے۔ ماہرِ لسانیات ہنری سوئٹ کا ماننا ہے کہ تکلم کے سبب جو آوازیں نکلتی ہیں اور جن سے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے، وہی زبان ہے۔ ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی رقم طراز ہیں کہ اصطلاح میں زبان سے مراد وہ مخصوص آوازیں ہیں جو انسان بالمقصد نکالتا ہے اور جن کے ذریعے اپنا ذہنی مفہوم واضح کرتا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ زبان چند ایسی مخصوص آوازوں کا ایک مجموعہ ہوتی ہے جو صوتی اعضاء کے عمل سے وجود میں آتی ہیں۔ ان آوازوں سے الفاظ بنتے ہیں۔ الفاظ جب مخصوص ترکیبوں میں آتے ہیں تو جملے وجود میں آتے ہیں۔ اس طرح آواز سے لے کر جملے تک ایک نظام ہوتا ہے۔

(زبان) (Language) یعنی لسان: رابطے کا ایک ذریعہ جسے معلومات کا تبادلہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلومات کا تبادلہ تحریری طور پر، اشاروں سے، اشتہارات یا بصری مواد کے استعمال سے، علامتوں کے استعمال سے یا براہِ راست کلام سے ممکن ہے۔ انسانوں

کے علاوہ مختلف جاندار بھی آپس میں تبادلہ معلومات کرتے ہیں، مگر زبان سے عموماً وہ نظام لیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان ایک دوسرے سے تبادلہ معلومات وخیالات کرتے ہیں۔ میں اس وقت بھی ہزاروں مختلف زبانوں کا وجود ہے جن میں سے کئی بڑی تیزی سے ناپید ہو رہی ہیں۔ مختلف زبانوں کی تخلیق وترقی کا تجزیہ لسانیات کی مدد سے کیا جاتا ہے۔

محی الدین قادری زور نے لسانیات کو زبان کی پیدائش، ارتقا اور موت سے متعلق علم قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''لسانیات اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے زبان کی ماہیت، تشکیل، ارتقا، زندگی اور موت کے متعلق آگاہی ہوتی ہے۔''

زبان کی صورتیں/ اقسام اور حیثیتیں

مادری زبان، دوسری زبان، سرکاری زبان، قومی زبان، تحریری زبان، اشاراتی زبان، علامتی زبان لیکن ان تمام زبانوں میں ماہرینِ لسانیات نے زبان کی تین معیاری صورتیں گنائی ہیں۔

۱۔ اشاری زبان (اشاروں کی زبان)

۲۔ تکلمی زبان (آوازوں کی زبان)

۳۔ تحریری زبان (علامتوں کی زبان)

اشاری زبان: انسانوں کے اشارے یا اعضا کی مخصوص حرکات بھی زبان کا کام کرتے ہیں۔ ان سے خاص خاص گروہوں میں خاص خاص مفہوم مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ مرحلہ زبان کی نشو ونما میں سب سے پہلا مرحلہ سمجھا گیا ہے۔۔

انسان اکیلا نہیں رہ سکتا اور قدیم ترین زمانے میں بھی، وہ سماجی گروہوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ انسان کی نطق یا اس کے تکلم یا بولنے کی صلاحیت کو ابھی نشو ونما نہیں ہوئی تھی۔ لیکن گروہ کی شکل میں رہنے کی وجہ سے اسے اپنے خیالات کو دوسرے ساتھیوں پر ظاہر کرنا بعض وقت ضروری ہو جاتا تھا، ایسی صورت میں وہ اشاروں سے کام لیتا تھا۔ مثلاً پانی مانگنا ہوتا تو وہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اور کٹورے کی شکل بنا کر بتاتا۔ آج بھی گونگوں سے ایسے اشارے سرزد ہوتے ہیں، ہم سمجھ جاتے ہیں بلکہ ہم خود بھی اکثر اشاروں سے بہت سارے کام لیتے ہیں۔ ہم گفتگو کرتے ہوئے بھی اشاروں سے کام لیتے ہیں اور ان کی مدد سے اپنے منصوبے کو مؤثر یا واضح بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حرکات اور اشارے بہت بامعنی اور بعض وقت پیچیدہ مفہوم کے حامل ہوتے ہیں۔ بعض قبائل میں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے، اس لیے ان کا مطالعہ کرنے والے علماء نے ان کی لغات اور قواعد مرتب کر دیے ہیں اور یہ اشاری زبان کہلاتی ہے۔

تکلمی زبان: تکلمی زبان کے ذریعے ہم قریب کے یا سامنے کے آدمی پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ، جیسا کہ بتایا گیا ہے، اشاروں سے بھی مدد لے کر اپنے مفہوم کو زیادہ موثر، کارآمد اور دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علمِ زبان کا موضوع یہی تکلمی زبان ہے۔

تحریری زبان: زبان کے ارتقا میں اگلے دونوں مرحلے ابتدائی عہدوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تحریری زبان اس ارتقا کے سلسلے کا سب سے اونچا زینہ ہے، کیوں کہ اس کی مدد سے انسان کے خیالات زماں ومکاں کی قیدوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے افکار ہر وقت کے اور وسیع تر استفادے کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔ تاہم، جیسا کہ اوپر بتایا گیا، علمِ زبان کے نقطہ نظر سے زبان کا دوسرا مرحلہ دراصل سب سے زیادہ اہم مرحلہ ہے۔

علما نے زبان کے مفہوم کو متعین کرنے کی اپنے اپنے طور پر سعی کی ہے۔ مثلاً ہنری سویٹ کا ماننا ہے کہ خیالات کے ظاہر کرنے کو زبان کہا جاتا ہے۔ ایک اور مصنف نے زبان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''زبان ملفوظ آوازوں کی وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان پر اپنی خواہشات اور خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔'' غرض جتنی بھی کوششیں زبان کے مفہوم کو متعین کرنے کی کی گئی ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے کہ زبان انسان کے خیالات، تصورات اور خواہشات کو ملفوظ آوازوں کے ذریعے ظاہر کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

1.5۔ فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
روزمرہ	ہر روز کی گفتگو	قوت گوئی	بولنے کی طاقت
تکلم	بات چیت	شیرازہ	انتظام
تخلیق	ایجاد	مصنوعی	بنایا ہوا
اطلاق	جاری کرنا	استعداد	تیار کرنا
مقنّنہ	قانون ساز جماعت	تنوع	رنگ برنگا
تجریدی	اشارات پر مبنی	مدعا	مقصد

صوت	آواز	بالقصد	قصداً، اراداتاً
آسائش	آرام	کارکن	کام کرنے والا
خاندان السنہ	زبانوں کا خاندان	جمود	ٹھہراؤ
منبع	ماخذ	زمرے	گروپ
ارتقا	ترقی	باہمی	آپسی
نشونما	ترقی	تاخیر	دیری
آمدورفت	آنا جانا	قول	کہا ہوا
تلفظ	آدائیگی	لسان	زبان

1.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔زبان کیا ہے؟مختلف ماہرینِ لسانیات کی آراء کی روشنی میں زبان کی تعریف بیان کیجیے؟

۲۔لسانیات سے کیا مراد ہے؟اس کے موضوع،اہمیت اور دائرہ کار پر تفصیلی نوٹ لکھیے ؟

۳۔زبان کی اقسام(تکلمی،تحریری اور اشاری زبان) کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی خصوصیات بیان کیجیے؟

۴۔مادری زبان،دوسری زبان،قومی زبان اور سرکاری زبان میں فرق واضح کیجیے؟

۵۔زبان کے آغاز وارتقا کے مختلف نظریات اور زبان وذہنی ارتقا کے باہمی تعلق پر مفصل بحث کیجیے؟

1.7۔مشقی سوالات:۔

ا۔لسانیات کیا ہے؟

۲۔مادری زبان سے کیا مراد ہے؟

1.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

جواب:ا:۔لسانیات زبان کے سائنسی مطالعے کو کہتے ہیں۔

جواب:۲:۔وہ زبان جو انسان بچپن میں اپنے والدین سے سیکھتا ہے،مادری زبان کہلاتی ہے۔

(جوابات سرگرمی:ا۔معلومات،۲۔اشاروں سے،۳۔علامتوں،۴۔براہ راست۔)

1.9۔امدادی کتب:۔

زبان اور علم زبان — پروفیسر عبدالقادر سروری

اردو کی لسانی تشکیل — ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

سبق نمبر:۲:۔اُردو زبان کے آغاز کے نظریے

ساخت:۔

2.0۔ اغراض ومقاصد
2.1۔ تعارف
2.2۔ اردوزبان کے آغاز کے نظریے
2.3۔ نظریوں کی حقیقت
سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)
2.4۔ عمومی جائزہ
2.5۔ فرہنگ
2.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
2.7۔ مشقی سوالات
2.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی
2.9۔ امدادی کتب

2.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:

زبان کے آغاز کے مسئلے اوراس کی اہمیت سے آگاہ ہوں گے۔زبان کے آغاز کے متعلق مختلف نظریات کا تعارف حاصل کریں

گے۔صوتِ تقلیدی، فجائی، ابتلا زائی اور ہائی سونظریات کو سمجھ سکیں گے۔زبان کے آغاز کے نظریات کی حقیقت اوران کی اہمیت سے واقف ہوں گے۔موجودہ ماہرینِ لسانیات کے رجحانات کا مطالعہ کرسکیں گے۔زبان اور خیال کے باہمی تعلق کو جان سکیں گے۔زبان اور سماج کے تعلق اور زبان کے سماجی کردار کو سمجھ سکیں گے۔

2.1۔تعارف:۔

زبان کی ایک قسم بولی ہوتی ہے۔بولی زبان کی وہ بنیاد ہے جس پر ایک زبان اپنا ڈھانچہ تیار کرتی ہے۔ایک زبان کے بولنے والوں میں جس قدر کثرت سے ملنا جلنا ہوگا، اسی قدر ان کی بولی یکساں ہوگی۔بولی کسی زبان کی وہ بنیادی حالت ہے جس کے بولنے والوں کو کسی لسانی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔کسی بولی کی مقبولیت یا اس مقام کی سیاسی، تاریخی، مذہبی اور ادبی اہمیت کی وجہ سے وہاں کی بولی معیاری قرار دی جاتی ہے۔یہ معیاری بولی آگے چل کر مستند و مقبول ہو کر معیاری زبان بن جاتی ہے۔زبان اپنے آغاز سے ارتقا تک کئی مراحل طے کرتی ہے۔ارتقائی منازل کے بارے میں مختلف ماہرین کے مختلف نظریات ہوتے ہیں۔اب ہم دیکھیں گے زبان کے آغاز وارتقا کے مختلف نظریات کیا ہیں؟

زبان خدا کا عطیہ:

جب سے انسان کو زبان کی اہمیت کا شعور پیدا ہوا، اُس وقت سے آج تک اس نے اس کے آغاز کے بارے میں خیال آرائی کی۔قدیم زمانے کے لوگ زبان کو خدا کا عطیہ یا اس کی بنائی ہوئی چیز سمجھتے تھے، چناں چہ سنسکرت کو دیو بھاشا سے تعبیر کرنے کا یہی مطلب تھا۔

2.2۔اردو زبان کے آغاز کے نظریے:۔

علمِ زبان کے ایک معین اور مستقل علم سمجھے جانے کے بعد سے بھی ماہرِ لسانیات اس مسئلے پر غور وفکر کرتے رہے ہیں، چناں چہ اس بارے میں کہ کسی خاص تصور کو ظاہر کرنے کے لیے ایک خاص آواز کیوں منتخب کی گئی، بہت کچھ قیاس آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔جدید دور کے ایک مشہور ماہرِ لسانیات میکس میولر نے زبان کے آغاز کے بارے میں آج تک جو خیالات ظاہر کیے جاتے رہے ہیں اُن کو اکٹھا کرنے اور اُن کی چھان بین کرنے کی کوشش کی ہے اور انھیں چار نظریوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔

۱۔ صوتِ تقلیدی نظریہ

۲۔ فجائی نظریہ

۳۔ ابتلازائی نظریہ

۴۔ ہائی سونظریہ

۱۔صوتِ تقلیدی نظریہ:

اس نظریے کا ماحصل یہ ہے کہ الفاظ فطری اصوات کی نقلیں ہیں۔انسان نے کتے کے بھونکنے کی نقل کی، جس سے ابتدائی ''باو واؤ'' (کتا) یا اس جیسے الفاظ بنے۔انگریزی کا لفظ ''ککو'' اوراس سے مشتق الفاظ ''کاکٹ'' وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔یہ نظریہ اس مماثلت کی بنا پر بنایا گیا کہ عموماً بچے جانوروں کو اس آواز سے موسوم کردیتے ہیں جو ان سے سنتے ہیں، مثلاً میاؤں (بلی)، میں میں (بکری)، چوں چوں (چڑیا) وغیرہ۔اس نظریے کو صوتِ تقلیدی نظریہ اس لیے کہتے ہیں۔اس نظریے کے ذریعے اس میں شک نہیں کہ ہر زبان کے کچھ الفاظ کے آغاز کی توجیہ ضرور ہوسکتی ہے اور یہ زیادہ تر تصورات پر مبنی ہیں، لیکن ان سے ہٹ کر کسی زبان کے بے شمار الفاظ کے آغاز کو اس نظریے کی مدد سے سمجھانا ممکن نہیں۔اس لیے میکس میولر لکھتا ہے کہ یہ نظریہ جہاں تک مرغ کی ''ککڑ کوں'' اور بطخ کی ''قیں قیں'' کا سوال ہے، قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے، لیکن اس مرغی خانے کے آگے ایک بند حصار ہے اور ہم کو جلد ہی یہ محسوس ہوجاتا ہے کہ حقیقت میں اس حصار کے باہر زبان کا آغاز ہوتا ہے۔بعض علما نے مزاحاً اس نظریے کو ''بھوں بھوں نظریہ'' سے تعبیر کیا ہے۔

۲۔فجائی نظریہ:

دوسرا نظریہ زبان کے آغاز کے بارے میں فجائی نظریہ ہے، جسے مزاحاً ''پوہ پوہ'' نظریہ سے موسوم کیا گیا ہے۔اس کو ''ٹٹ مٹ نظریہ'' بھی کہا گیا ہے۔اس کی بنیاد اس نفسیاتی خصوصیت پر ہے کہ مختلف چیزوں یا مظاہر کا مشاہدہ دل میں مختلف قسم کے احساسات اور جذبات پیدا کرتا ہے اور ان جذبات و احساسات کو انسان مختلف قسم کی موزوں آوازوں کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔

اس کی مثال ''دھت''، ''تف''، ''ہائے'' وغیرہ ہیں، جو مختلف قسم کے احساسات اور جذبات کو ظاہر کرتے ہیں۔مثلاً ''تف'' ناپسندیدگی کے احساس کو اور ''ہائے'' رنج کے احساس کو ظاہر کرتا ہے۔

انگریزی کے لفظ ''فانی'' کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دہشت کے جذبے کا اظہار کرتا ہے، جو انگریزی لفظ ''فینڈ'' (شیطان) کا ماخذ ہے۔جارج ولیس نے اپنی کتاب "The Philosophy of Speech" میں انگریزی کے ''گاڈ'' اور ''گڈ'' کو بچوں کے منہ سے خوشی کی حالت میں نکلنے والی ''غوں غوں'' کی جو آوازیں نکلتی ہیں ان سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔گویا ایسے سارے

الفاظ جن میں ''غ'' یا ''گ'' کی آواز ہوتی ہے، ان کو بچوں کی اسی آواز سے مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان سب سے خوبی کا مفہوم اخذ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''م'' کی آواز کو بھی، جو بعض انگریزی الفاظ جیسے "Mute" (میوٹ) اور "Mum" (مَم) "Mystery" میں آتی ہے۔ چپ رہنے کے مفہوم کو ظاہر کرنے والی بتائی گئی ہے۔ اُردو کے لفظ ''پریم'' کے ''پر'' کو اور انگریزی لفظ "Friend" (فرنڈ) کی ''فر'' کو اس نظریے کے حامیوں نے ابتدائی دور کے انسان کی خوشی کی آواز ''پر'' سے جوڑ کر اس نظریے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ایسے الفاظ ہر زبان میں اتنے کم ملتے ہیں کہ اس نظریے کی مدد سے لفظوں کی ایک بڑی تعداد کو نہیں سمجھایا جاسکتا۔ بلکہ اس نظریے کی رو سے اتنے لفظوں کے آغاز کی توجیہہ بھی نہیں ہوسکتی، جتنے لفظوں کی توجیہہ پہلے نظریے کی مدد سے ہوسکتی ہے۔ اس لیے یہ نظریہ بھی زبان کے آغاز کے مسئلے کو سمجھانے میں ہماری مدد نہیں کرسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ بعض قوموں میں فجائیہ الفاظ کی تعداد کافی ہے، لیکن بعض قومیں، جیسا کہ انگریز قوم، اپنی زبان میں فجائیہ آوازیں بہت کم رکھتی ہیں۔ اس لیے شاید ہی محدود سے الفاظ ہوں گے جو اس نظریے کی رو سے سمجھائے جاسکیں۔ اس تلاش میں بعض لوگ تو اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ ہر لفظ کے آغاز کے لیے جدید یا قدیم زمانے کے حقیقی یا مفروضہ فجائیے ڈھونڈ لاتے ہیں اور زبان کے لفظوں کو ان سے جوڑتے ہیں۔ جارج ویلس کی تحقیق، جس کا اوپر ذکر آیا ہے، اس کی اچھی مثال ہے۔ ذہن کو اس طرح بے لگام چھوڑ دیا جائے تو اس کی پرواز کی حد کا کیا ٹھکانا ہوسکتا ہے! تاہم بعض علما کو اس سے انکار نہیں کہ بعض لفظوں کی اس طرح توجیہہ ہوسکتی ہے۔

ابتلازائی نظریہ:

اس نظریے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ابتدائی زمانے کا انسان جب خاص خاص چیزوں کا مشاہدہ کرتا تھا تو جوابی ردِ عمل کے طور پر اس کی زبان سے بے ساختہ کچھ آوازیں نکل جاتی تھیں۔ یہی آوازیں رفتہ رفتہ اس چیز کے نام کے طور پر مستعمل ہوگئیں۔ مثال کے لیے اُردو کے الفاظ ''جگ مگ''، جھلا جھل'، وغیرہ پیش کیے جاسکتے ہیں۔ انگریزی الفاظ ''زگ زیگ''، ''جاؤ''، ڈے زل'' بھی اسی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ بنگالی زبان میں بھی ایسے کئی الفاظ ہیں جنہیں ''دھونی یا تمک'' کہتے ہیں اور وہ اسی طرح کے الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ بعض وقت ہم زور دینے کے لیے لفظوں کو دہراتے ہیں، جیسے ''بڑے بڑے آدمی''۔ یہ بھی اسی کی مثال ہے۔ اس نظریے کو ابتلازائی یا ''لیے تھوجنک نظریہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس نظریے کی بنا یہ ہے کہ صوت اور اس کے مفہوم میں ایک خاص اور چھپا ہوا تعلق موجود ہوتا ہے۔

ہائی سونظریہ:

یہ ہمارے روزمرہ مشاہدے کی بات ہے کہ مزدور جب بھاری بوجھ اٹھاتے ہیں، یا کسی کٹھن کام میں ان کو جسمانی قوت سے کام لینا پڑتا ہے تو سب مل کر کچھ آوازیں بلند کرتے ہیں، جس سے اُن کا بوجھ کچھ ہلکا ہوجاتا ہے۔اس طرح مغربی ملکوں میں ملاح جب جہازوں کے لنگر کو کھینچتے ہیں تو' ''یوہے ہو'' کی صدا بلند کرتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں عام طور پر مزدور اور ملاح ''ہائی سو'' کی صدا نکالتے ہیں۔الفاظ کے ذریعے انسانی افعال کو ظاہر کیا جاتا ہے۔اس کی بنیاد پر بعض علماء نے یہ نظریہ مرتب کیا ہے کہ محنت اور مشقت کے ردِعمل کے طور پر جو آوازیں انسان فطرتاً نکالتا ہے، ان سے خود کام کا اظہار ہوتا ہے۔اس نظریہ کو نوارے نے پیش کیا تھا۔ بعد میں دوسرے علماء نے استہزاً اسے ''یوہے ہونظریہ'' کے نام سے موسوم کیا۔بعض علماء نے اس نظریے کی رو سے کچھ لفظوں کے آغاز کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ انگریزی لفظ ''ہیو'' "Heave" کے پہلے ''ھ'' کو ''یوہے'' سے مستخرج سمجھا گیا ہے۔اسی طرح لفظ ''ہال'' "Haul" کو بھی اسی سے متعلق بتایا جاتا ہے۔

2.3۔نظریوں کی حقیقت:۔

یہ مختلف نظریے مختلف علماء نے زبان کے آغاز پر غور وخوض کرنے کے بعد اپنے اپنے طور پر مختلف زمانوں میں مدون کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہمارے زمانے کے ماہرینِ لسانیات یہ مانتے ہیں کہ ان نظریوں میں سے کوئی ایک یا سارے نظریے مل کر بھی کسی زبان کے لفظوں کے سارے سرمائے کی ابتداء کو سمجھانے میں ہماری مدد نہیں کرتے۔ چنانچہ ہندوستان کے ایک ماہرِ لسانیات ان نظریوں پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ غالباً یہ سارے نظریے بھی اکٹھے کسی زبان کے سارے مادّوں کی توجیہہ نہیں کر سکتے۔ یہ یقین ہے کہ ملفوظ کلام کے ساتھ جتنے ذہنی اعمال کا تعلق ہے، اتنی ہی مختلف توجیہیں ہوسکتی ہیں۔

موجودہ رجحان:

موجودہ زمانے میں ماہرینِ لسانیات زبان، الفاظ یا مادّوں کے آغاز کے بارے میں ان نظریوں یا اس طرح کے اور نظریوں پر زیادہ دھیان نہیں دیتے، کیوں کہ یہ سب محض قیاس آرائیوں کا مرکز ہیں، اور اس وقت تک وہ سارے حقائق منکشف نہیں ہوئے ہیں جو کسی معین نظریے کے مدون کرنے میں مدد دے سکیں۔علمِ زبان کا موجودہ طالبِ علم محض مروجہ زبان کی چھان بین سے اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اور موجودہ رجحان علماء کا یہ ہے کہ ہر زبان کے بارے میں جتنے زیادہ حقائق مہیا ہوسکیں، مہیا کیے جائیں اور ان کی مدد سے زبان کی ساری خصوصیات کا علمی اور سائنٹفک طور پر مطالعہ کیا جائے۔

زبان ارتقاء کا نتیجہ:

موجودہ ماہرینِ لسانیات اس خیال کو قبول کرنے سے معذور ہیں کہ زبان مسلح انسان کے ذہنوں میں کود پڑی، یا خدا نے بنی بنائی زبانیں انسان کے دماغ میں اُتار دیں۔ بلکہ تجرباتی علوم کی وسعت اور زبانوں کے گہرے مطالعے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زبانیں بھی کائنات کی دوسری ساری اشیاء کی طرح، ایک کافی اُلجھے ہوئے، لیکن منظم ارتقا کا نتیجہ ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتداء میں زبانیں سادہ روپ میں تھیں، لیکن جوں جوں انسان اپنی ابتدائی سادہ حالت سے مہذب اور شائستہ زندگی کی پیچیدگیوں کی طرف بڑھتا گیا، زبانیں بھی اسی مناسبت سے سادہ حالت سے پیچیدہ حالت میں ارتقا پاتی گئیں۔ اب یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ زبان، یعنی ملفوظ کلام، کا آغاز اسی نفسیاتی عمل کا نتیجہ ہے جو انسانی ذہن میں جاری ہے۔

زبان اور خیال:

اصل میں زبان اور خیال لازم و ملزوم ہیں۔ زبان کا وجود قوتِ خیال کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ زبان اسی وقت سے وجود میں آئی جب انسان کے دماغ میں خیال کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ اس مسئلے پر ماہرینِ لسانیات نے نفسیاتی نقطہ نظر سے کافی غور و خوض کیا ہے اور اسی کے نتیجے کے طور پر اب ان کی یہ رائے ہوگئی ہے کہ قدیم زمانے میں کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں انسان کا وجود عمل میں آیا ہوگا اور ان کی زبانیں بھی ان کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی گئی ہوں گی۔ اگر ایک ہی مقام پر انسان کا ظہور ہوا ہوگا تو ابتداء میں ایک زبان رہی ہوگی، لیکن جیسے جیسے انسان کرہ ارض کے مختلف حصوں میں پھیلتے گئے اور بستے گئے، ان کی زبانیں بھی پھیلتی گئیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ماخذ سے الگ ہو جانے اور اس کے ساتھ ربط باقی نہ رہنے کے سبب ان میں اختلافات پیدا ہوتے گئے۔

زبان اور سماج:

اب یہ بات کہ انسان کو خیال کی قوت کب عطا ہوئی، ایسا سوال ہے کہ اس کا حل علمائے نفسیات سے بھی نہیں بن پڑا ہے۔ زبان اور خیال کے اظہار کا مسئلہ انسانی سماج کے ارتقاء کے مسئلے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے اور یہ دونوں مسئلے ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم کے طور پر الجھے ہوئے ہیں۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ’’اُردو زبان کے آغاز کے نظریے‘‘ کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 2.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

موجودہ ماہرینِ ۔۔۔۔۔ اس خیال کو قبول کرنے سے معذور ہیں کہ زبان یکا یک انسان کے ذہن میں کود پڑی، یا خدا نے بنی بنائی زبانیں انسان کے دماغ میں اُتار دیں۔ بلکہ تجرباتی ۔۔۔۔۔۔۔ اور زبانوں کے گہرے مطالعے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زبانیں بھی کائنات کی دوسری ساری اشیاء کی طرح ایک کافی اُلجھے ہوئے لیکن منظّم ارتقا کا ۔۔۔۔۔ ہیں۔

2.4۔ عمومی جائزہ:۔

زبان انسانی زندگی کا بنیادی اور موثر ترین ذریعہ اظہار ہے۔ انسان اپنے خیالات، جذبات، احساسات، تجربات اور ضروریات کو زبان ہی کے ذریعے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ زبان کی ابتداء اور ارتقا کا مسئلہ قدیم زمانے سے اہلِ علم اور ماہرینِ لسانیات کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ مشہور ماہرِ لسانیات میکس میولر (Max Müller) نے زبان کے آغاز کے بارے میں پیش کیے جانے والے مختلف خیالات کو جمع کر کے ان کا جائزہ لیا اور انہیں چند اہم نظریات کی صورت میں مرتب کیا۔ ان میں صوتِ تقلیدی نظریہ، فجائی نظریہ، ابتلا زائی نظریہ اور ہائی سو نظریہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

صوتِ تقلیدی نظریے کے مطابق زبان کا آغاز فطرت اور ماحول میں پائی جانے والی مختلف آوازوں کی نقل سے ہوا، جبکہ فجائی نظریہ جذبات اور احساسات کے زیرِ اثر انسان کے منہ سے نکلنے والی بے ساختہ آوازوں کو زبان کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ ابتلا زائی نظریے کے مطابق انسان نے اپنی ضرورت اور باہمی رضامندی سے اشیا اور افعال کے نام مقرر کیے، جبکہ ہائی سو نظریے کے مطابق اجتماعی محنت اور مشقت کے دوران ادا کی جانے والی آوازوں نے زبان کے ابتدائی عناصر کی صورت اختیار کی۔ یہ تمام نظریات زبان کی ابتداء کے بعض پہلوؤں کی وضاحت

ضرور کرتے ہیں، لیکن زبان کے مکمل آغاز اور ارتقاء کی جامع توجیہہ پیش نہیں کر سکتے۔

اسی بنا پر جدید ماہرینِ لسانیات ان نظریات کو حتمی حقائق کے بجائے علمی قیاسات اور فکری کاوشیں قرار دیتے ہیں۔ موجودہ رجحان یہ ہے کہ زبان کے آغاز سے متعلق غیر مصدقہ مفروضات میں الجھنے کے بجائے زبان کی موجودہ صورت، اس کی ساخت، قواعد، صوتیات، معانی اور سماجی کردار کا سائنسی اور معروضی مطالعہ کیا جائے۔ جدید لسانیات زبان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ حقائق جمع کرنے اور ان کی بنیاد پر نتائج اخذ کرنے پر زور دیتی ہے۔

زبان اور خیال کا تعلق نہایت گہرا ہے۔ انسان اپنے خیالات کو زبان کے ذریعے منظّم کرتا، انہیں واضح شکل دیتا اور دوسروں تک منتقل کرتا ہے۔ فکری نشوونما، علم کے حصول اور ذہنی ارتقا میں زبان بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اسی طرح زبان اور سماج بھی ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں، کیونکہ زبان ہی معاشرتی روابط، تہذیبی اقدار، ثقافتی روایات اور اجتماعی شعور کو محفوظ رکھنے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ کسی بھی قوم کی شناخت، تہذیب اور ثقافت کا سب سے نمایاں مظہر اس کی زبان ہوتی ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان محض الفاظ یا آوازوں کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی فکر، تہذیب، ثقافت اور سماجی زندگی کی بنیاد ہے۔ زبان کے آغاز کے بارے میں پیش کیے گئے مختلف نظریات اس کے ارتقائی سفر کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، تاہم جدید تحقیق اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ زبان کی پیدائش اور نشوونما ایک تدریجی، پیچیدہ اور کثیر الجہتی عمل کا نتیجہ ہے جس میں انسانی ذہن، جذبات، ماحول اور سماج سب نے مشترکہ کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان کو انسانی تہذیب کی سب سے عظیم اور موثر ایجاد قرار دیا جاتا ہے اور اس کا مطالعہ آج بھی لسانیات کا ایک اہم اور دلچسپ موضوع ہے۔

2.5۔ فرہنگ:۔

الفاظ	معانی
ارتقا	نشوونما، ترقی
نظریہ	تصور، خیال
صوت	آواز
تقلید	نقل، پیروی

فجائی	اچانک پیدا ہونے والا
ابتداء	آغاز،شروعات
مشقت	سخت محنت
قیاس آرائی	گمان،اندازہ
لسانیات	زبان کا علم
مدون	مرتب کیا ہوا
ملفوظ	بولا گیا
توجیہہ	وضاحت،تشریح
منکشف	ظاہر،آشکار
معین	متعین،مخصوص
رجحان	میلان، جھکاؤ
صوتیات	آوازوں کا علم
تہذیب	شائستگی،ثقافت
ثقافت	طرزِ زندگی
شعور	آگہی،سمجھ بوجھ
اظہار	بیان،ظاہر کرنا

2.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ زبان کے آغاز کے متعلق پیش کیے گئے نظریات کا تعارف دیتے ہوئے صوتِ تقلیدی نظریہ اور فجائی نظریہ کی وضاحت کیجیے؟

۲۔ ابتلازائی نظریہ اور ہائی سو نظریہ پر تفصیلی نوٹ لکھیے؟

۳۔ میکس میولر نے زبان کے آغاز کے بارے میں مختلف نظریات کو کس طرح مرتب اور پیش کیا؟ وضاحت کیجیے۔

۴۔ زبان کے آغاز کے نظریات کی حقیقت اور موجودہ ماہرینِ لسانیات کے رجحان پر مفصل بحث کیجیے؟

2.7۔ مشقی سوالات :۔

سوال 1: میکس میولر نے زبان کے آغاز کے نظریات کو کتنی بڑی اقسام میں تقسیم کیا؟

______________________________ ____________ ______

____

سوال 2: موجودہ ماہرینِ لسانیات زبان کے آغاز کے نظریات کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

____

____

2.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔/جوابات سرگرمی

جواب 1: میکس میولر نے زبان کے آغاز کے نظریات کو چار بڑی اقسام میں تقسیم کیا۔

جواب 2: موجودہ ماہرینِ لسانیات ان نظریات کو حتمی حقیقت نہیں مانتے اور زبان کے سائنسی مطالعے پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

(جوابات سرگرمی: ا۔لسانیات،۲۔علوم کی وسعت،۳۔نتیجہ)

2.9۔ امدادی کتب:۔

اردو کی لسانی تشکیل	ڈاکٹر خلیل احمد بیگ
اردو لسانیات کی تاریخ	درخشاں ذریں
لسانی تناظر	ڈاکٹر خلیل احمد بیگ

سبق نمبر۳:۔ ہندوستانی زبانوں کے خاندان
(اسٹرک، دراوڑ، تبت، چینی اور ہند آریائی)

ساخت:۔

3.0۔ اغراض و مقاصد

3.1۔ تعارف

3.2۔ ہندوستانی زبانوں کے خاندان (اسٹرک، دراوڑ، تبت، چینی اور ہند آریائی)

3.3۔ ہند آریائی

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

3.4۔ عمومی جائزہ

3.5۔ فرہنگ

3.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

3.7۔ مشقی سوالات

3.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی

3.9۔ امدادی کتب

3.0۔اغراض و مقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

ہندوستانی زبانوں کے مختلف خاندانوں کے تعارف سے آگاہ ہوں گے۔آسٹرک، دراوڑ، تبت چینی اور ہند آریائی زبانوں کی اہم خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔ ہندوستانی زبانوں کے تاریخی ارتقاء اور ان کے پس منظر کا مطالعہ کر سکیں گے۔ دراوڑی اور ہند آریائی زبانوں کے باہمی اثرات اور تعلقات سے واقف ہوں گے۔سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش کے ارتقائی مراحل کے بارے میں جانیں گے۔ جدید ہند آریائی زبانوں کی تشکیل اور ترقی کے اسباب کو سمجھ سکیں گے۔مختلف ہندوستانی زبانوں کی ادبی اور تہذیبی اہمیت سے آگاہ ہوں گے۔ ہندوستانی لسانی تنوع اور مختلف زبانوں کے باہمی رشتوں کا جائزہ لے سکیں گے۔

3.1۔تعارف:۔

دنیا کی مختلف زبانوں کو ان کی قواعد، جملوں کی بناوٹ، مرکبات کے اصول اور معنوی قرابت کی بنیاد پر مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہندوستان لسانی اعتبار سے ایک نہایت متنوع ملک ہے جہاں مختلف زبانیں اور بولیاں رائج ہیں۔ ہندوستانی زبانوں کا تعلق بنیادی طور پر آسٹرک، دراوڑ، تبت چینی اور ہند آریائی خاندانوں سے ہے۔ان زبانوں کی تشکیل اور ارتقا مختلف تاریخی عوامل اور تہذیبی روابط کا نتیجہ ہے۔

آسٹرک خاندان کی زبانیں قدیم زمانے سے مشرقی اور وسطی ہندوستان میں بولی جاتی رہی ہیں، جبکہ تبت چینی خاندان کی زبانیں چین، تبت اور شمال مشرقی ہندوستان کے بعض علاقوں میں رائج ہیں۔ دراوڑی خاندان جنوبی ہند کی اہم زبانوں پر مشتمل ہے جن میں تامل، تیلگو، کنڑ اور ملیالم نمایاں ہیں۔ان زبانوں کا ادب اور تہذیبی ورثہ نہایت قدیم اور اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ہند آریائی خاندان ہندوستان کا سب سے بڑا لسانی خاندان ہے۔اس کا تعلق آریاؤں کی آمد سے جوڑا جاتا ہے۔سنسکرت اس خاندان کی قدیم زبان سمجھی جاتی ہے جس سے بعد میں پراکرت، اپ بھرنش اور جدید ہند آریائی زبانیں وجود میں آئیں۔سندھی، گجراتی، بنگلہ، اُڑیا، بہاری، مغربی ہندی اور مشرقی ہندی جیسی زبانیں اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔مختلف ادوار میں زبانوں کے باہمی اختلاط اور تہذیبی اثرات نے ان زبانوں کو نئی شکلیں عطا کیں اور ان کے دائرہ استعمال کو وسعت دی۔ ہندوستانی زبانوں کے خاندانوں کا مطالعہ زبانوں کی تاریخی ترقی، باہمی تعلقات اور تہذیبی اثرات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔اس موضوع کے ذریعے ہندوستان کی لسانی اور ثقافتی تاریخ کا ایک جامع تصور سامنے آتا ہے۔

3.2۔ہندوستانی زبانوں کے خاندان (اسٹرک، دراوڈ، تبت، چینی اور ہند آریائی):۔

بیسویں صدی کے نصفِ اول میں فرنچ اکیڈمی کے جائزے کے مطابق دنیا میں (۲۷۹۶) زبانیں بولی جاتی ہیں۔گریئرسن نے بھی اس

سے اتفاق کیا ہے۔ ماہرینِ لسانیات نے مختلف زبانوں کی قواعد، جملوں کی بناوٹ، مرکبات کے اصول اور معنوی قرابت کے لحاظ سے دنیا کی زبانوں کو مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔ خاندانی اور گروہی رشتوں کی تلاش ہندیورپی خاندان کے مطالعے سے شروع ہوتی ہے۔ اس مطالعے کے سلسلے میں تاریخی اور تقابلی طریقے وضع کیے گئے۔ ہندیورپی خاندانوں کی قواعد کو لے کر دوسرے خاندانوں کا مطالعہ کیا گیا، لیکن تفصیلی مطالعہ صرف ترقی یافتہ زبانوں کا ہی ہوسکا۔ ہندوستانی زبانوں کا تعلق ہندوستان میں آریوں کی آمد سے کسی نہ کسی طرح جڑا ہوا ہے۔ آریوں کو تاریخی روشنی میں سب سے پہلے ہم شمال مغربی ایران میں (۲۰۰۰ق۔م) دیکھتے ہیں۔ ہندوستان میں آریوں کے داخلے کی تاریخ (۱۵۰۰ق۔م) مقرر کی جاسکتی ہے۔ ہندیورپی زبان بولنے والے آریا اپنے داخلہ ہند سے قبل عرصے تک مشرقی ایران میں قیام کر چکے تھے، جہاں ان کی زبان ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی ۲۰۰۰ق۔م تک ہندایرانی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ ہندیورپی زبان کی یہ ہندایرانی شکل ہی ان تمام زبانوں کی ماں کہی جاسکتی ہے جو بعد کو ایران میں پھیلیں اور جسے آریا بولتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے۔

ہندوستان میں آریوں کا سابقہ دراویدی اور آسٹرک قوموں سے پڑا۔ آسٹرک زیادہ تر مشرقی اور وسط ہند کے علاقوں میں آباد تھے۔ ان قوموں کو زیر کرنے میں آریوں کو کافی جدوجہد کرنی پڑی۔ اس جدوجہد کی جھلک رگ وید کے بعض قصوں میں پائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں منڈا خاندان کی، برما اور چینی، تبت، تھائی لینڈ وغیرہ میں مون کھمیر خاندان کی بہت سی زبانیں آسٹرک خاندان سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

تبت چینی خاندان کے بولنے والے ہندیورپی کے بعد سب سے زیادہ ہیں۔ یہ خاندان چین، تبت، میگھالیہ، ناگالینڈ، تری پورہ، تھائی لینڈ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ زبانیں ایک رکنی مادوں پر مشتمل غیر ترکیبی ہیں۔ چینی کی مختلف بولیوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی لیے ایک بولی کا بولنے والا دوسری بولی سمجھ نہیں سکتا۔ ان بولیوں میں تلفظ کا اختلاف علاقائی اور تاریخی وجوہات سے بھی نظر آتا ہے۔ چینی کی معیاری بولی کواں ہوا (kuan-hva) ہے جو پیکنگ کی بولی ہے، جسے منڈارین بھی کہا جاتا ہے۔ چینی میں دو ادبی اسلوب ہیں۔ ایک قدیم زبان، دوسری جدید زبان۔ قدیم زبان کا اسلوب پیچیدہ اور مرصع ہے جو تلمیحات و رمزیات کی وجہ سے زود فہم نہیں ہے۔ جدید چینی زبان کا اسلوب سہل تر ہے۔ اس میں بہت کچھ ادب پیدا ہو رہا ہے۔ چینی زبان کی چند اہم اور دلچسپ خصوصیات ہیں۔ ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ اس میں لفظوں کو سُر کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ ایک ہی لفظ کو مختلف سُروں میں بولنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ کہ اس زبان میں قواعد نہیں ہے۔ حتیٰ کہ چینی میں قواعد کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔ تیسری خصوصیت یہ کہ چینی میں انفی آوازوں کی کثرت ہوتی ہے۔ چینی تحریری لفظ نقش ہوتا ہے۔ یہ بظاہر نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن خود چینی اسے مشکل نہیں سمجھتے۔ جاپانیوں نے بھی یہی خط اختیار کیا ہے۔

تبت چینی خاندان کی ایک شاخ تبت برمی ہے۔اس کی خاص زبان تبّتی ہے جسے ''بھوٹیا'' بھی کہتے ہیں۔اس پر سنسکرت کا کافی اثر ہے۔اس کا رسم الخط بھی براہمی کی شاخ ہے۔اس میں چھٹی صدی سے سنسکرت اور پالی کتابوں کے ترجمے شروع ہو گئے۔دراوڑ خاندان اس خاندان کے بولنے والے جنوبی ہند کے علاوہ بہار، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش میں ملتے ہیں۔دراوڑی زبانوں کے ایک بڑے ماہر بشپ کاڈویل تھے، جنہوں نے اُنیسویں صدی میں دراوڑی زبانوں کی تقابلی قواعد لکھی ہے۔کاڈویل کا خیال ہے کہ دراوڑی زبان میں دوسری زبانوں کا بڑا امتزاج ملتا ہے۔دراوڑ زبان کو تین علاقہ وار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

جنوبی دراوڑی میں تامل، کنڑ، تُلو اور ملیالم مشہور ہیں۔

وسطی دراوڑی میں تیلگو، گونڈی اور کوی (KUVI) کو بڑی اہمیت ہے۔

شمالی دراوڑی میں کروکھ اور براہوی دو زبانیں شامل ہیں۔

دراوڑی زبانوں کی چند مشترکہ خصوصیات ہیں:

۱۔ان میں معکوسی مصمتوں کا افراط ہے۔

۲۔جنس (Gender) کا نظام دوسری ہندوستانی زبانوں سے مختلف ہے۔

بنیادی طور پر جنس کی تقسیم جاندار اور بے جان کی ہے۔صرف ضمیرِ غائب میں مذکر اور مونث ہے اور انہیں صفت کے آخر میں بھی لاحقے کے طور پر جوڑ دیا جاتا ہے۔فعلِ مجہول یعنی (Passive Voice) نہیں ہوتا۔جنوبی دراوڑی زبانوں میں تامل زبان سب سے پرانی زبان ہے۔تامل والوں کا تو دعویٰ ہے کہ یہ دنیا کی موجودہ زبانوں میں سب سے قدیم ہے۔تامل ادب بھی بڑا دقیق ہے۔''تل کاپیم'' تامل کی سب سے قدیم شعری تصنیف ہے، جو دوسری صدی ق۔م میں لکھی گئی۔دنیا میں تکلمِ معرا کا یہ سب سے قدیم نمونہ ہے۔تامل کا ادبی اسلوب ''منی پروال میں سنسکرت الفاظ کی بہتات ہے۔ملیالم نویں صدی میں تامل سے الگ ہوئی۔یہ کیرلا کی زبان ہے۔اس میں سنسکرت الاصل الفاظ اسی فیصد سے زیادہ ہیں۔ملبار کے موپلا مسلمانوں کی بولی سنسکرت اثرات سے مبرا ہے۔

کنڑ کرناٹک کی زبان ہے۔یہ تامل اور تیلگو سے ملتی جلتی ہے۔اس کا رسم الخط تیلگو کا ہے۔اس زبان کے تین دور ہیں۔پہلا دور ۱۲۵۰ء تک، دوسرا دور ۱۲۵۰ء سے ۱۵۰۰ء تک اور تیسرا یعنی جدید دور ۱۵۰۰ء کے بعد شروع ہوتا ہے۔کنڑ میں چوتھی صدی عیسوی سے ادب ملتا ہے۔کنڑ کا ہر لفظ مصوتے پر ختم ہوتا ہے۔تلو، کُرگ اور مہاراشٹر کی سرحد پر منگلور میں بولی جانے والی ایک چھوٹی سی زبان ہے۔اس میں ادب نہیں ہے۔

کالڈویل تمام دراوڑی زبانوں میں اسے سب سے ترقی یافتہ زبان قرار دیتا ہے۔ یہ کنڑ سے بہت ملتی جلتی ہے۔اسی لیے بعض ماہرین اسے کنڑ کی ''بولی'' ہی کہتے ہیں۔

تلگو: دراوڑی زبانوں میں تلگو بولنے والے سب سے زیادہ ہیں۔اس میں سنسکرت الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔لفظوں کے آخر میں مصوتہ ہوتا ہے۔اس میں مصوتی ہم آہنگی ہے،اس لیے یہ زبان بڑی شیریں زبان ہے۔اسے مشرقی اطالوی کہا جاتا ہے۔اس کا ادب گیارہویں صدی سے ملتا ہے۔دراوڑی زبانوں نے ہندآریائی زبانوں کو بھی متاثر کیا ہے۔آریائی زبانوں میں معکوسی آوازیں یہیں سے آئی ہیں۔

3.3۔ ہندآریائی:۔

ہندوستان میں آریاؤں کے داخلے کا زمانہ ۱۵۰۰ق۔م مقرر کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان میں آریاؤں کا سابقہ دراوڑی اور آسٹرک قوموں سے پڑتا ہے۔دراوڑیوں سے ان کا مقابلہ مغربی اور شمال مغربی ہندوستان میں ہوا جبکہ آسٹرک زیادہ تر مشرقی اور وسط ہند کے علاقوں میں آباد تھے۔ان قوموں کو زیر کرنے میں انہیں کافی جدوجہد کرنی پڑی۔اس جدوجہد کی جھلکیاں رگ وید کے بعض قصوں میں نظر آتی ہیں۔موجودہ ہندی تمدن کو خالص آریائی تمدن نہیں کہا جاسکتا۔فاتح اور مفتوح دونوں آخر میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں، کیوں کہ ہندوستان میں آریاؤں کا ایک ایسے تمدن سے سابقہ پڑتا تھا جو کئی لحاظ سے آریاؤں کے تمدن پر فوقیت رکھتا تھا۔آریاؤں نے دراویڈی مذہب کے بہت سے عناصر قبول کر لیے۔بعض دیوی دیوتاؤں کے تصورات اور دیومالا، کچھ کھانے پینے کی چیزیں، پان سپاری، لباس میں دھوتی اور ساری خالص دراویڈی عناصر ہیں۔دراویڈی زبانوں کا آریائی زبان کی قواعد اور صوتیات پر کافی اثر پڑا ہے اور آریائی زبان ہندایرانی مراحل سے گزر کر ہندآریائی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہندوستان میں ہندآریائی ارتقاء کو عام طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ا۔ قدیم ہندآریائی (۱۵۰۰ق۔م تا ۵۰۰ق م)

۲۔ وسطی ہندآریائی (۵۰۰ق م تا ۱۰۰۰ء)

۳۔ جدید ہندآریائی (۱۰۰۰ء تا زمانہ حال)

قدیم ہندآریائی:

قدیم ہندآریائی دور کو ماہرینِ لسانیات نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلا دور:

پہلا دور، ویدک سنسکرت کا دور ہے جو دراصل سنسکرت کی قدیم شکل کا عہد ہے۔ اس دور میں چار وید یعنی (۱) رگ وید، (۲) سام وید، (۳) یجر وید اور (۴) اتھر وید کے علاوہ قدیم اپنشد یا منتر گرنتھ ملتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق رگ وید ۱۵۰۰ق۔م سے ۶۰۰ ق۔م کے درمیان تصنیف کی گئی۔ بقیہ وید ۱۰۰ ق۔م تک یا اس کے کچھ بعد تک کی تصانیف خیال کی جاتی ہیں۔

قدیم سنسکرت پر آریاؤں کی آمد کا بڑا اثر پڑا جس کی وجہ سے سنسکرت کے تین مختلف روپ سامنے آتے ہیں۔ اس کا قدیم ترین روپ وہ ہے جب آریا پنجاب کے راستے سے داخل ہو کر شمالی کے اکثر حصوں میں قبضہ کر چکے تھے۔ اس وقت شمال میں جو سنسکرت بولی جاتی تھی اس کا متاثر ہونا ضروری تھا۔ دوسرا روپ سنسکرت کی وسطی بولی کا ہے جب آریا اپنے قدم بڑھا کر مدھیہ پردیش تک جا پہنچے تھے۔ تیسرا روپ آٹھویں صدی ق۔م میں ملتا ہے جب آریا مشرقی ہند تک پہنچ چکے تھے۔ یہ مشرقی بولی کا روپ ہے۔ اس وقت قدیم سنسکرت کے علاوہ مختلف علاقوں میں جو بولیاں رائج تھیں ان کا ذکر دوسرے دور میں آتا ہے۔

دوسرا دور:

جن بولیوں کا ذکر اوپر آیا ہے وہ بولیاں یہ ہیں:

۱۔ اُدیچیہ

۲۔ مدھیہ دیشی

۳۔ پراچیہ

ادیچیہ شمال مغربی ہند میں، مدھیہ دیشی مدھیہ پردیش میں اور پراچیہ مشرقی ہند میں بولی جاتی تھیں۔ ادیچیہ کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل تھی کہ وہ آریاؤں کی قدیم معیاری زبان سے قریب تر تھی۔ آریاؤں کی معیاری زبان کی سند لوگ اس علاقے سے لیتے تھے۔ مدھیہ دیشی زبان نہ تو اس قدر معیاری سمجھی جاتی تھی جتنی کہ شمال مغربی ہندوستان کی زبان اور نہ اس قدر پست جیسی کہ پراچیہ کی بولی۔ رفتہ رفتہ آریائی تہذیب کا مرکز پنجاب سے ہٹ کر دوآبہ گنگا جمنا ہوتا گیا اور مدھیہ پردیشی زبان کو ممتاز حیثیت حاصل ہوتی گئی۔ پراچیہ زبان کا رواج آریاؤں کے ان قبائل میں تھا جو موجودہ اودھ، مشرقی یوپی اور مغربی بہار کے بعض حصوں میں آباد ہو گئے تھے۔ یہاں کی زبان دیسی بولیوں سے مل کر اپنا آریائی لب ولہجہ کھو چکی تھی۔ مغربی ہندوستان کے آریا ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اسوروں (بھوت پریت) کی نسل سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کی زبان کو

براہمنہ میں ''اشدھ'' کہا گیا ہے۔اس عہد کی سنسکرت میں آسٹرو ایشیائی اور دراوڈی الفاظ خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔سنسکرت کے اس شکست و ریخت کو دیکھتے ہوئے زبان کو نئے سرے سے منظّم کرنے کی کوشش کی گئی۔مقامی تعصّبات سے الگ ہٹ کر ان الفاظ کو ٹکسالی مانا گیا جو سب جگہ رائج تھے۔اب لوگ ادب میں ایک خاص ٹکسالی زبان کا استعمال کرنے لگے اور زبان سنسکرت (شدھ) ہوگئی۔ابتداء میں سنسکرت لفظ صفت کے طور پر استعمال ہوتا رہا جس کے معنی صاف،شستہ زبان کے تھے۔بعد میں سنسکرت ایک خاص زبان کا نام ہو گیا۔شستہ زبان ہونے کی وجہ سے ادبی تصنیفات اس زبان میں ہونے لگیں لیکن نقصان یہ ہوا کہ علمی وادبی زبان ہونے کی وجہ سے یہ عوام سے ہٹنے لگی۔لگ بھگ اسی زمانے میں جین مت اور بدھ مت والوں نے اپنے اپنے مذہب کا پرچار مقامی بولیوں میں کرنا شروع کیا۔جس کی وجہ سے مقامی بولیاں چمک اٹھیں۔ سنسکرت کے عالموں اور ویدک مذہب کے علم برداروں کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں سنسکرت پھر مقامی زبانوں کی زد میں آ کر اپنا معیاری روپ نہ کھودے،اس لیے یہ لوگ اپنی زبان کی سختی سے حفاظت کرنے لگے۔نتیجے میں سنسکرت ایک فرقے کی زبان بن کر محدود ہوگئی۔مذہبی رہنماؤں کے اس زبان پر تسلط کی وجہ سے یہ ''دیوبانی'' تو بن گئی لیکن عوام میں اس کی مقبولیت کم ہوتی گئی یعنی سنسکرت قابلِ احترام تو ہوگئی لیکن قابلِ استعمال نہ رہی۔

دوسرا دور:

مسیحی سنہ کی ابتداء سے ۵۰۰ء تک شمار کیا جاتا ہے۔یہ دور پراکرت دور کہلاتا ہے۔پراکرت کسی ایک زبان کا نام نہیں بلکہ کئی ایک زبانوں کے مجموعے کا نام ہے۔پراکرت کے معنی فطرت کے ہیں،یعنی ایسی زبانیں جو اپنے فطری انداز میں پھل پھول رہی ہوں۔اس عہد میں ادبی اور اہم پراکرتوں کی پانچ واضح شکلیں نظر آتی ہیں۔

۱۔ مہاراشٹری: یہ جنوب کی پراکرت ہے۔ژول بلاک نے مراٹھی کو اسی سے ماخوذ بتلایا ہے۔یہ شاعری اور موسیقی کی زبان ہے۔سنسکرت ڈراموں کے گیت اسی میں ملتے ہیں جس کی وجہ سے اسے ملک گیر مقبولیت حاصل ہوگئی۔پراکرتوں میں سب سے پہلے مہاراشٹری کی قواعد مرتب ہوئی۔اس میں نظم ونثر کا قیمتی سرمایہ ملتا ہے۔سویتامبر جینیوں نے اسی میں اپنی مذہبی کتابیں لکھیں،اس لیے اس زبان کو مہاراشٹری بھی کہا جاتا ہے۔مہاراشٹری میں بدھ گرنتھ بھی ملتے ہیں۔

۲۔ شورسینی: اس کا مرکز شورسین یعنی متھرا کا علاقہ تھا۔سنسکرت کے بعد اعلیٰ طبقے میں اگر کسی پراکرت کا رواج تھا تو وہ یہی شورسینی تھی جس پر سنسکرت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔اس کے قدیم نمونے اشوگھوش کے سنسکرت ناٹکوں میں ملتے ہیں۔

۳۔ مگدھی: یہ پورے مشرقی ہندوستان کی بولی تھی۔ اس کا مرکز مگدھ یعنی جنوبی بہار کا علاقہ تھا۔ چوں کہ یہ آریاؤں کے مرکز سے دور تھی اس لیے اس پر غیر آریائی بولیوں کا شدید اثر ملتا ہے۔ آریا اس پراکرت کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ سنسکرت ڈراموں میں نچلے طبقے کے کرداروں کے مکالمے اس زبان میں ادا کیے گئے ہیں۔

۴۔ اردھ مگدھی: اس کے لغوی معنی آدھی مگدھی کے ہیں۔ جغرافیائی اور لسانی اعتبار سے یہ شورسینی اور مگدھی کے بیچ کی زبان ہے۔ اس کا مقام کوشلیا یعنی اودھ اور مشرقی یوپی تھا۔ یہ تمام پراکرتوں میں سب سے قدیم ہے۔ اس میں اشوک کی تعلیمات کا بھی پرچار ہوا ہے۔

۵۔ پشاچی: سنسکرت میں پشاچ بھوت کو کہتے ہیں۔ پشاچی کے معنی ''کچا گوشت کھانے والے'' کے بھی بتلائے گئے ہیں۔ یہ زبان عام بول چال میں زیادہ استعمال ہوتی رہی ہے۔ اس میں کئی بولیوں کی ملاوٹ ہوگئی ہے، اس لیے سنسکرت والے اسے بڑی حقارت سے دیکھتے ہیں۔

تیسرا دور:

تیسرا دور ۵۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک محیط ہے۔ یہ دور اپ بھرنش کا دور کہلاتا ہے۔ اپ بھرنش کے معنی بگڑی ہوئی زبان کے ہیں۔ شروع شروع میں لفظ اپ بھرنش کسی خاص زبان کے لیے استعمال نہ ہوتا تھا۔ پڑھے لکھے لوگ، ان پڑھوں کی زبان کو اپ بھرنش یا اپ بھاشا کہتے تھے۔ ہندوستان کی جدید زبانوں کی پیدائش پراکرتوں سے نہیں بلکہ اپ بھرنش سے ہوتی ہے، جس کا سلسلہ (۱) شورسینی اپ بھرنش، (۲) مگدھی اپ بھرنش، (۳) اردھ مگدھی اپ بھرنش اور (۴) مہاراشٹری اپ بھرنش سے ملایا جاسکتا ہے۔ ان میں شورسینی اپ بھرنش کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔

مگدھی اپ بھرنش کا علاقہ وسیع تھا۔ بہار کی تمام بولیاں اس کے تحت آتی ہیں۔ بہار کی بولی کا نام مگہی ہے جو مگدھی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اردھ مگدھی اپ بھرنش میں پوربی ہندی اور اودھی آتی ہے۔ مہاراشٹری اپ بھرنش کا خاص مرکز برار کا علاقہ تھا۔ سنسکرت میں اس صوبے کو مہاراشٹر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اپ بھرنش میں سنسکرت کے تدبھَو الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ کہیں کہیں عربی الفاظ تلفظ کی تبدیلی کے ساتھ آ گئے ہیں۔ شورسینی اپ بھرنش کو لسانی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ اس کی کھڑی بولی ایک وسیع علاقے میں بولی جاتی تھی، اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ اس علاقے کی تمام بولیاں ضرور اسی سے نکلی ہوں گی۔ کھڑی بولی کا خاص علاقہ دوآبہ تھا۔ کھڑی بولی ہندوستان کی مانی ہوئی ادبی زبان بن گئی۔

جدید ہند آریائی:

(۱۰۰۰ء تا حال) مشہور ماہرِ لسانیات ہارنلے (Hoernle) کا خیال ہے کہ آریا ہندوستان میں دو گروہوں میں آئے۔ دوسرا گروہ جب ہندوستان میں داخل ہوا تو مرکز میں پہلے سے آباد آریاؤں سے لڑ کر انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اسی لیے آریا وہاں سے نکل کر مغرب، جنوب اور مشرق میں پھیل گئے۔ اسی طرح آریائی زبانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک بیرونی، جو قدیم آریاؤں کا گروہ ہے، دوسرا اندرونی گروہ۔ یہ گروہ بعد میں آنے والے آریاؤں کا گروہ ہے۔ گریرسن آریاؤں کے دو گروہوں کو مانتا ہے، لیکن اندرونی اور بیرونی گروہ کی تقسیم میں اس کا خیال بدل گیا ہے۔ گریرسن کا کہنا ہے کہ آریا جو پہلے ہندوستان میں آئے تھے وہ درمیانِ ملک ہی میں آباد رہے۔ بعد میں آنے والا آریاؤں کا گروہ اس کے اطراف یعنی مغرب، جنوب اور مشرق میں بس گیا۔ ہارنلے اور گریرسن میں فرق ہے تو اتنا کہ ہارنلے نے نو واردوں کو اندرونی گروہ بتلایا ہے اور گریرسن نے پرانے آریاؤں کو اندرونی گروہ ثابت کیا ہے۔

ڈاکٹر سُنیتی کمار چٹرجی نے گریرسن سے اختلاف کرتے ہوئے بیرونی اور اندرونی تقسیم کی تردید کی ہے۔ یہاں ہم چٹرجی کی تقسیمِ السنہ کے مطابق جدید ہند آریائی زبانوں کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں:

سندھی: یہ صوبہ سندھ کی بولی ہے۔ اس کے بولنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ پاکستان میں سندھی عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ ہندوستان میں اسے دیوناگری میں لکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سندھی میں عربی فارسی کے الفاظ کثرت سے ہیں۔ سندھی میں صوفیانہ ادب کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ آریائی زبانوں میں یہ وہ واحد زبان ہے، جس پر عربی کے براہِ راست اثرات پڑے ہیں۔

لہندا: یہ مغربی پنجاب کی زبان ہے۔ اس کا اپنا رسم الخط ''لنڈا'' ہے، لیکن عموماً یہ فارسی رسم الخط ہی میں لکھی جاتی ہے۔ یہ اپنی قواعد اور فرہنگ دونوں اعتبار سے مشرقی پنجاب سے مختلف ہے۔

گجراتی: یہ گجرات، کاٹھیاواڑ اور کچھ کی زبان ہے۔ میرابائی کے گیتوں کو گجراتی بھی کہا جا سکتا ہے۔ گجراتی، ہندی زبان سے بہت نزدیک ہے۔ بمبئی کے بعض حصوں میں بھی گجراتی بولی جاتی ہے جس میں سنسکرت الفاظ کم فارسی الفاظ زیادہ ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی سے گجراتی ادب ملتا ہے۔ اردو کی (ڑ) اور (ڑھ) کے مقابلے میں گجراتی میں (ڈ) زیادہ پائی جاتی ہے۔

راجستھانی، مدھیہ پردیش کی زبان ہے۔ یہ شورسینی اپ بھرنش سے نکلی ہے۔ اس میں قدیم ادب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ہندی کے ویر گاتھا کال کے کئی راسو راجستھانی میں ملتے ہیں۔ راجستھان کی کئی بولیاں ہیں جن میں مارواڑی، جے پوری، میواتی اور مالوی قابلِ ذکر ہیں۔

مغربی ہندی: یہ مدھیہ پردیش کی زبان ہے۔ یہ مغرب میں سرہند سے لے کر مشرق میں الہ آباد تک، شمال میں ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں وندھیا چل اور بندیل کھنڈ تک بولی جاتی ہے۔ شمال مغرب میں یہ پنجابی زبان اور جنوب مشرق میں مراٹھی اور مشرقی ہندی سے گھری ہوئی ہے۔ مغربی ہندی کا یہ نام مدھیہ پردیش کی زبان کو گریرسن نے دیا ہے جس نے سب سے پہلے مشرقی اور مغربی ہندی میں فرق کیا ہے۔ لسانی اعتبار سے مغربی ہندی کا تعلق براہِ راست شورسینی اپ بھرنش سے ہے۔ گریرسن نے مغربی ہندی کی پانچ بولیاں گنوائی ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ کھڑی بولی یا ہندوستانی

۲۔ ہریانوی

۳۔ برج بھاشا

۴۔ قنوجی

۵۔ بندیلی

مشرقی زبانوں کو چٹر جی نے پانچ زبانوں میں تقسیم کیا ہے:

مشرقی ہندی: یہ اردھ مگدھی سے نکلی ہے۔ مشرقی ہندی بعض خصوصیات میں مغربی ہندی سے ملتی ہے لیکن مغربی ہندی سے زیادہ اس کی خصوصیات بہاری سے قریب ہیں۔ مشرقی ہندی کی تین بولیاں ہیں:

(۱) اودھی

(۲) بگھیلی

(۳) چھتیس گڑھی

اودھی لکھنو، فیض آباد اور الہ آباد کی کمشنری میں بولی جاتی ہے۔ اس کا ادب بہت وقیع ہے۔ کسی زمانے میں اس بولی کی حیثیت باقاعدہ زبان کی تھی۔ اس میں جائسی کی پدماوت اور تلسی داس کی رام چرت مانس جیسے شاہکار ملتے ہیں۔ بگھیلی بندیل کھنڈ کی بولی ہے۔ چھتیس گڑھی مشرق مدھیہ پردیش میں چھتیس گڑھ میں بولی جاتی ہے۔ اس پر مراٹھی اور اُڑیا کا اثر ہے۔ مشرقی ہندی بولنے والوں کی تہذیبی زبان ہندی ہے۔

پہاڑی بولیوں میں گڑھوالی، چمبالی، سرموری اور نیپالی مشہور ہیں۔ پہاڑی بولیوں میں تبّتی اور کچھ چینی زبانوں کے الفاظ آ گئے ہیں۔

ان بولیوں پر راجستھانی کا بھی اثر ہے۔گڑھوالی، نینی تال میں بولی جاتی ہے۔

اُڑیا: اس کا ادب کوئی چار سو سال پرانا ادب ہے۔ یہ بھی مگدھی اپ بھرنش سے نکلی ہے۔اُڑیسہ میں بولی جاتی ہے۔شمالی حصے کی بولی بنگالی سے قریب ہے۔ چوں کہ اُڑیسہ پر مراٹھوں کی حکومت رہی ہے، اسی لیے اُڑیا میں مراٹھی الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔آندھرا پردیش کی قربت کی وجہ سے تیلگو الفاظ بھی داخل ہو گئے ہیں۔اُڑیا رسم الخط بہت مشکل ہے۔اس کی قواعد بنگالی سے بہت ملتی جلتی ہے۔

بہاری: مگدھی سے اس کا ارتقاء ہوا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین کے خیال میں بہاری بذاتِ خود کوئی زبان نہیں بلکہ یہ تین زبانوں، میتھلی، مگہی اور بھوجپوری کا مجموعہ ہے۔ان میں میتھلی اور مگہی ایک دوسرے سے قریب اور بھوجپوری دونوں سے کسی قدر مختلف ہے۔

بنگلہ: مگدھی اپ بھرنش کی یہ خاص جانشین ہے۔ادبی اعتبار سے ہندوستانی زبانوں میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ بنگلہ کا اُڑیا پر بڑا اثر ہے۔ ٹیگور جدید بنگلہ کے مشہور شاعر ہیں۔اس زبان میں ناولوں نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ” ہندوستانی زبانوں کے خاندان (اسٹرک، دراوڑ، تبت، چینی اور ہند آریائی)“ کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 3.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

ہندوستان میں آریاؤں کے داخلے کا زمانہ ـــــ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں آریاؤں کا سابقہ ـــــ اور آسٹرک قوموں سے پڑتا ہے۔ دراوڑیوں سے ان کا مقابلہ مغربی اور شمال مغربی ہندوستان میں ہوا جبکہ آسٹرک زیادہ تر مشرقی اور وسط ہند کے علاقوں میں آباد تھے۔ان قوموں کو زیر کرنے میں انہیں کافی جدوجہد رنی پڑی۔اس جدوجہد کی جھلکیاں ـــــ کے بعض قصوں میں نظر آتی ہیں۔

3.4۔عمومی جائزہ:۔

ہندوستانی زبانوں کے خاندانوں کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ برصغیر ہند قدیم زمانے سے مختلف نسلوں، تہذیبوں اور زبانوں کا مرکز رہا ہے۔ یہاں بولی جانے والی زبانوں کو لسانی خصوصیات، قواعد، صوتیات اور تاریخی تعلقات کی بنیاد پر مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اہم ہندوستانی زبانی خاندانوں میں آسٹرک، دراوڑ، تبت چینی اور ہند آریائی خاندان شامل ہیں۔ ان خاندانوں نے نہ صرف ہندوستان کی لسانی تاریخ کو تشکیل دیا بلکہ اس کی تہذیب، ثقافت اور ادبی روایت کو بھی گہرے طور پر متاثر کیا۔

آسٹرک خاندان ہندوستان کے قدیم ترین زبانوں کے خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس خاندان سے تعلق رکھنے والی قومیں مشرقی اور وسطی ہندوستان میں آباد تھیں۔ ان زبانوں کے اثرات بعد کی کئی زبانوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ تبت چینی خاندان چین، تبت اور شمال مشرقی ہندوستان کے وسیع علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس خاندان کی زبانوں کی ساخت اور صوتی خصوصیات دوسری ہندوستانی زبانوں سے مختلف ہیں۔ چینی زبان اپنی مخصوص صوتی نظام، غیر ترکیبی ساخت اور منفرد رسم الخط کی وجہ سے دنیا کی ممتاز زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ اسی خاندان کی تبت برمی شاخ بھی اہمیت رکھتی ہے جس کی زبانوں پر سنسکرت اور پالی کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ دراوڑی خاندان جنوبی ہندوستان کی اہم زبانوں پر مشتمل ہے۔ تامل، تیلگو، کنڑ اور ملیالم اس خاندان کی نمایاں زبانیں ہیں۔ تامل زبان نہ صرف دراوڑی زبانوں میں سب سے قدیم سمجھی جاتی ہے بلکہ اس کا ادبی سرمایہ بھی نہایت وسیع اور وقیع ہے۔ کنڑ، ملیالم اور تیلگو نے بھی اپنے اپنے ادوار میں ادب، ثقافت اور علم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ دراوڑی زبانوں کی بعض خصوصیات مثلاً معکوسی مصمتوں کا استعمال اور جنس کا منفرد نظام انہیں دوسری ہندوستانی زبانوں سے ممتاز بناتا ہے۔ ان زبانوں کے اثرات بعد میں ہند آریائی زبانوں میں بھی منتقل ہوئے۔

ہند آریائی خاندان ہندوستان کا سب سے وسیع اور اہم زبانی خاندان ہے۔ اس کا آغاز آریاؤں کی آمد کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ آریائی زبانوں نے مختلف ارتقائی مراحل طے کیے جنہیں قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی اور جدید ہند آریائی ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ قدیم دور میں سنسکرت کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ سنسکرت نے علمی، ادبی اور مذہبی زبان کی صورت اختیار کی اور اس کے ذریعے بے شمار مذہبی اور ادبی متون تخلیق ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ عوامی سطح پر مختلف بولیاں فروغ پانے لگیں جن سے پراکرت زبانیں وجود میں آئیں۔ وسطی ہند آریائی دور میں مہاراشٹری، شورسینی، مگدھی، اردھ مگدھی اور پشاچی جیسی پراکرت زبانیں رائج ہوئیں۔ ان زبانوں نے عوامی زندگی، مذہبی تبلیغ اور ادبی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد ازاں ان زبانوں کی ارتقائی صورت اپ بھرنش کہلائی، جس نے جدید ہندوستانی زبانوں کی تشکیل میں بنیادی

کردار ادا کیا۔اپ بھرنش زبانوں سے ہی مختلف جدید زبانوں نے جنم لیا اور وقت کے ساتھ مستقل زبانوں کی صورت اختیار کر لی۔

جدید ہند آریائی دور میں سندھی، لہندا، گجراتی، راجستھانی، مغربی ہندی، مشرقی ہندی، اُڑیا، بہاری اور بنگلہ جیسی زبانیں نمایاں ہو کر سامنے آئیں۔ان زبانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔بعض زبانوں نے بیرونی زبانوں سے بھی اثرات قبول کیے، جس کے نتیجے میں ان کے ذخیرہ الفاظ اور اظہار کے انداز میں وسعت پیدا ہوئی۔ بنگلہ، گجراتی اور ہندی جیسی زبانوں نے جدید ادب کو نئی جہتیں عطا کیں جبکہ سندھی اور دیگر زبانوں میں مذہبی اور صوفیانہ ادب کو فروغ حاصل ہوا۔اس پورے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہندوستانی زبانیں ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود باہمی روابط اور اثرات کی حامل ہیں۔مختلف زبانوں اور تہذیبوں کے اختلاط نے برصغیر کے لسانی منظرنامے کو نہایت متنوع اور ثروت مند بنایا ہے۔ ہندوستانی زبانوں کے خاندانوں کا مطالعہ نہ صرف زبانوں کی تاریخ اور ارتقاء کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ برصغیر کی تہذیبی، سماجی اور ثقافتی تاریخ کو جاننے کا بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی زبانوں کے خاندان لسانیات کے مطالعے میں بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

3.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی
قرابت	تعلق، رشتہ
ارتقاء	تدریجی ترقی
تقابلی	موازنہ کرنے والا
مرصع	آراستہ، سجا ہوا
تلمیحات	اشارے اور حوالے
رمزیات	علامتی انداز
معکوسی مصمت	الٹی زبان سے ادا ہونے والی آواز
لاحقہ	لفظ کے آخر میں لگنے والا جز

فعلِ مجہول	ایسا فعل جس میں کرنے والا ظاہر نہ ہو
دقیق	باریک، گہرا
مبرا	پاک، الگ
مصوتہ	حرفِ علت
دیومالا	دیوی دیوتاؤں کے قصے
صوتیات	آوازوں کا علم
ویدک	ویدوں سے متعلق
اپنشد	ہندو مذہبی کتاب
لب ولہجہ	بولنے کا انداز
شدھ	خالص، پاک
پراکرت	عوامی زبان
گرنتھ	مذہبی کتاب
شورسینی	ایک قدیم پراکرت زبان
مگدھی	مشرقی ہندوستان کی قدیم زبان
پشاچی	ایک قدیم زبان
اپ بھرنش	بگڑی ہوئی زبان
تدبھَو	سنسکرت سے نکلا ہوا لفظ
صوفیانہ	تصوف سے متعلق
لسانیات	زبانوں کا علم
دراوڑی	جنوبی ہند کے قدیم لسانی خاندان سے متعلق

آسٹرک	ایک قدیم لسانی خاندان
ہندآریائی	آریائی زبانوں کی ہندوستانی شاخ
تبت برمی	تبّتی زبانوں کی ایک شاخ
ارتقائی	تدریجی ترقی سے متعلق
فوقیت	برتری، بالادستی
تعصب	جانبداری
منظّم	ترتیب دیا ہوا
ورثہ	میراث، چھوڑا ہوا سرمایہ
ادبی اسلوب	تحریر کا مخصوص انداز
رسم الخط	لکھنے کا طریقہ

3.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ ہندوستانی زبانوں کے اہم خاندانوں کا تعارف اور خصوصیات بیان کیجیے؟

۲۔ دراوڑی زبانوں کی نمایاں خصوصیات اور ان کی اہم شاخوں پر تفصیلی نوٹ لکھیے؟

۳۔ ہندآریائی زبانوں کے ارتقائی مراحل کی وضاحت کیجیے؟

۴۔ پراکرت اور اپبھرنش زبانوں کا تعارف اور جدید ہندوستانی زبانوں کی تشکیل میں ان کے کردار پر روشنی ڈالیے؟

۵۔ جدید ہندآریائی زبانوں کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے سندھی، گجراتی اور بنگلہ زبانوں کی اہمیت بیان کیجیے؟

3.7۔مشقی سوالات :۔

۱۔ تبت چینی خاندان کی ایک اہم خصوصیت کیا ہے؟

۲۔سنسکرت کے بعد عوامی سطح پر کون سی زبانیں رائج ہوئیں؟

۳۔اپ بھرنش کے معنی کیا ہیں؟

3.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

ا۔ تبت چینی خاندان کی زبانیں عموماً غیر ترکیبی ہوتی ہیں اوران میں سُروں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

۲۔ سنسکرت کے بعد عوامی سطح پر پراکرت زبانیں رائج ہوئیں۔

۳۔ اپ بھرنش کے معنی بگڑی ہوئی یا تبدیل شدہ زبان کے ہیں۔

(جوابات سرگرمی:ا۔۱۵۰۰ق۔م،۲۔دراوڑی،۳۔رگ وید۔)

3.9۔امدادی کتب:۔

اردو لسانیات کی تاریخ	درخشاں ذریں
زبان کیا ہے	خلیل صدیقی
ہندوستانی لسانیات	محی الدین قادری زور
اردو کی لسانی تشکیل	مرزا خلیل احمد بیگ

سبق نمبر۴:۔ ہندآریائی زبان: تاریخی وسماجی پس منظر

ساخت:۔

4.0۔ اغراض ومقاصد

4.1۔ تعارف

4.2۔ ہندآریائی زبان: تاریخی وسماجی پس منظر

4.3۔ ہندآریائی زبانوں کاارتقاء

سرگرمی (آؤاپنی معلومات جانچیں)

4.4۔ عمومی جائزہ

4.5۔ فرہنگ

4.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

4.7۔ مشقی سوالات

4.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

4.9۔ امدادی کتب

4.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

ہند آریائی زبانوں کے تاریخی پس منظر سے واقف ہوسکیں گے۔ آریاؤں کی آمد اور ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء کو سمجھ سکیں گے۔ قدیم، وسطی اور جدید ہند آریائی ادوار میں فرق بیان کرسکیں گے۔ سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش کے باہمی تعلق کو واضح کرسکیں گے۔ مختلف پراکرتوں اور اپ بھرنشوں کی خصوصیات بیان کرسکیں گے۔ شورسینی اپ بھرنش کی اہمیت کو سمجھ سکیں گے۔ جدید ہند آریائی زبانوں کی تشکیل کے تاریخی عوامل کا جائزہ لے سکیں گے۔ اُردو زبان کے تاریخی و سماجی پس منظر کو سمجھ سکیں گے۔

4.1۔ تعارف:۔

اردو محبتوں کی زبان ہے، عالمی امن و یکجہتی کی مثال ہے۔ اس زبان نے تاریخ کے ہر موڑ پر اپنے عہد کے سماجی و اجتماعی احساسات و جذبات کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مختلف زبانوں کے باہمی میل جول سے ارتقاء پذیر ہونے والی اردو زبان نے ابتداء سے ہی سیکولر کردار ادا کیا ہے۔ اُردو ہم سب کی قومی میراث ہے، ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و تمدن کی آئینہ دار ہے اور جمہوریہ ہند کی تسلیم شدہ 22 زبانوں میں سے ایک ہے۔

؎ جو سنتا ہے وہ ہو جاتا ہے اس کا
ظفؔر جادو ہے اُردو زباں میں

جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے، یہ ایک ہند آریائی زبان ہے۔ ہند آریائی زبانوں کا شمار قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔ اس زبان کے نمونوں کا نہ صرف اٹوٹ سلسلہ ملتا ہے بلکہ قبلِ مسیح دور ہی میں اس کی مفصل تجزیاتی قواعد بھی ملتی ہیں جن میں لسانیاتی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ زمان و مکاں کے اعتبار سے زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں کبھی اشتراک ہوتا ہے، کبھی اختلاف اور کبھی یکسانیت، جس کی وجہ سے زبانوں کے مختلف خاندان وجود میں آئے ہیں یا انہیں مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ہند آریائی زبان، ہند یورپی خاندانِ السنہ کی ہند ایرانی شاخ کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ یہ انڈک (Indic) کے نام سے بھی معروف ہے۔ SIL INSTITUTE کی 2005ء کی تحقیق کے مطابق ہند آریائی زبانوں میں 209 زبانیں شامل ہیں۔ بعض امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہند یورپی خاندانِ السنہ کی بڑی اہمیت ہے۔ ہندوستان میں ہند یورپی خاندان کا سلسلہ بڑا دراز ہے۔ یہ خاندان اپنے ارتقائی دور میں ہند ایرانی سے گزر کر ہند آریائی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

4.2۔ ہندآریائی زبان: تاریخی وسماجی پس منظر:۔

ہندوستان کی موجودہ زبانیں اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جن میں اُردو بھی ایک ہے۔اُردو کی ابتداء اور ارتقاء کا مطالعہ کرنے کے لیے ہندآریائی زبانوں کے ارتقاء کا جائزہ لینا ضروری ہے جس کا گہرا تعلق ہندوستان میں آریاؤں کی آمد سے ہے۔آریاؤں کی قدیم کتابوں میں ان کے اصل وطن اور ہندوستان میں ان کی آمد کے سلسلے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔زیادہ تر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خانہ بدوش لوگ تھے جو دنیا کے مختلف خطوں میں پھیل گئے۔ جہاں بھی گئے وہ کسی منظّم شکل میں مقیم نہیں رہے بلکہ تلاشِ معاش میں جہاں مناسب جگہ ملی وہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہوکر آباد ہو گئے۔ ہندوستان ایک زرخیز ملک تھا۔ یہاں خوشحال زندگی گزارنے کے پورے امکانات موجود تھے،اس لیے ان کی بڑی تعداد یہاں آ گئی۔بعض قدیم کتابوں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آریا لوگ تبت سے ہندوستان میں آئے۔ چند سنسکرت کے عالموں کا خیال ہے کہ یہ ہندوستان ہی کے باشندے تھے جو بعد میں مختلف علاقوں میں پھیل گئے،تاہم ان نظریات کے متعلق کوئی تحقیقی ثبوت نہیں ملتا۔زیادہ تر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ آریاؤں کا اصل وطن وسطی ایشیا تھا۔ یہ لوگ جنوب مغربی روس کے علاقے سے چل کر عراق،ایران اور افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔

ہندوستان میں آریاؤں کی آمد:۔

ہندوستان میں آریاؤں کے داخلے کا زمانہ 1500 ق۔م قرار دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں آریاؤں کا سابقہ دراوڑی اور آسٹرک قوموں سے پڑا۔دراوڑیوں سے ان کا مقابلہ مغربی اور شمال مغربی ہندوستان میں ہوا جبکہ آسٹرک زیادہ تر مشرقی اور وسطی ہند کے علاقوں میں آباد تھے۔ ان قوموں کو زیر کرنے میں انہیں کافی جدوجہد کرنی پڑی۔اس جدوجہد کی جھلکیاں ’’رگ وید‘‘ کے بعض قصوں میں پائی جاتی ہیں۔فاتح اور مفتوح آخر میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں آریاؤں کا ایک ایسے تمدن سے سابقہ پڑا تھا جو کئی لحاظ سے ان کے تمدن پر فوقیت رکھتا تھا۔آریاؤں نے دراوڑی مذہب سے بہت سے عناصر قبول کر لیے۔بعض دیوی دیوتاؤں کے تصورات، کچھ کھانے پینے کی چیزیں، پان، سپاری،لباس میں دھوتی اور ساڑی خالص دراوڑی عناصر ہیں۔ان زبانوں کا آریائی زبان کی قواعد اور صوتیات پر کافی اثر پڑا اور آریائی زبان ہند ایرانی مرحلے سے گزر کر ہندآریائی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ہندوستان میں آریاؤں کی آمد اور ہندآریائی زبانوں کے ارتقا سے متعلق مختلف نظریات ملتے ہیں جن کے متعلق بعد میں ماہرینِ لسانیات نے زبانوں کی ترقی کے تین مدارج بتائے ہیں:

1۔قدیم ہندآریائی 1500ق۔م تا500ق۔م

2۔وسطی ہندآریائی 500ق م تا1000ء

3۔جدید ہندآریائی 1000ءتازمانہ حال

4.3۔ہندآریائی زبانوں کاارتقاء:۔

قدیم ہندآریائی زبانوں کے آغاز کا سلسلہ لگ بھگ ۱۵۰۰ق۔م سے شروع ہوتا ہے۔اس کے دو دور ہیں پہلے کو ویدک سنسکرت اور دوسرے کوکلاسیکل سنسکرت کا دور مانا جاتا ہے۔یہ عہد دراصل سنسکرت کی قدیم شکل کا عہد ہے۔اس دور میں چار وید ملتے ہیں:

(1) رگ وید

(2) سام وید

(3) یجروید

(4) اتھرووید

ہرقسم کے مذہبی اورعلمی مطالعے میں سنسکرت کی بڑی اہمیت تھی۔اس میں بڑے بڑے علما موجود تھے۔قدیم سنسکرت پرآریاؤں کی آمد کا بڑااثرپڑا جس کی وجہ سے سنسکرت کے تین مختلف روپ سامنے آتے ہیں۔اس کا قدیم ترین روپ وہ ہے جب آریا پنجاب کے راستے سے داخل ہوکرشمال کے اکثرحصوں پر قبضہ کر چکے تھے۔اس وقت شمال میں جوسنسکرت بولی جاتی تھی اس کا متاثر ہونالازمی تھا۔ دوسراروپ سنسکرت کی وسطی بولی کا ہے جب آریا اپنے قدم بڑھا کر مدھیہ پردیش تک پہنچ چکے تھے۔تیسراروپ مشرقی بولی کا روپ ہے جب آریا مشرقی ہند تک پہنچ چکے تھے۔ان علاقوں کی زبانیں دیسی بولیوں سے مل کراپنا آریائی لہجہ کھورہی تھیں۔مغربی ہندوستان کے آریاانہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھےاور اسوروں کی نسل سے تعبیر کرتے تھے۔ان کی زبان کو''براہمنہ''میں اشدھ کہا گیا ہے۔اس عہد کی بولیوں میں سنسکرت کے الفاظ کا تلفظ مقامی اثر سے بدل گیا تھااوردراوڑی الفاظ خاصی تعداد میں شامل ہوگئے تھے۔سنسکرت کی اس شکست وریخت کو دیکھتے ہوئے زبان کو نئے سرے سے منظّم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔مقامی تعصّبات سے الگ ہٹ کرسنسکرت کے ان الفاظ کوٹکسالی مانا گیا جوسب جگہ رائج تھے۔اب لوگ ادب میں ایک خاص ٹکسالی زبان کا استعمال کرنے لگےاور یہ زبان سنسکرت (شدھ) ہوگئی۔

ادبی سنسکرت کی سب سے پہلی جھلک ہمیں آخری براہمنوں، اپنشدوں اور سوتروں میں ملتی ہے۔ ابتداء میں لفظ سنسکرت صفت کے طور پر استعمال ہوتا تھا جس کے معنی صاف اور شستہ زبان کے ہیں۔ رفتہ رفتہ سنسکرت ایک زبان کا نام ہوگیا۔ شستہ زبان ہونے کی وجہ سے ادبی تصنیفات اس میں ہونے لگیں۔ ادبی زبان ہونے کی وجہ سے اس زبان کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ عوام سے ہٹنے لگی۔ تقریباً اسی زمانے میں جین مت اور بدھ مت والوں نے اپنے مذہب کا پرچار مقامی بولیوں میں کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے مقامی بولیاں چمک اٹھیں۔ سنسکرت کے عالموں اور ویدک مذہب کے علم برداروں کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں سنسکرت پھر مقامی زبانوں کی زد میں آ کر اپنا روپ نہ کھودے۔ اس لیے یہ لوگ اپنی زبان کی سختی سے حفاظت کرنے لگے۔ اسی سنسکرت زبان کو پانِنی نے اشٹ ادھیائی اور پاتن جلی نے ''مہا بھاشیہ'' جیسی قواعد کے اصولوں میں جکڑ کر جامد کر دیا۔ نتیجے میں سنسکرت ایک فرقے کی زبان بن کر محدود دائرے میں رہ گئی۔ مذہبی رہنماؤں کی وجہ سے دیو بانی، تو بن گئی لیکن عوام میں اس کی مقبولیت کم ہوتی گئی۔ یعنی سنسکرت قابلِ احترام تو بن گئی لیکن قابلِ استعمال نہ رہی۔

۲۔ وسطی ہند آریائی ۵۰۰ ق۔م تا ۱۰۰۰ء

یہ دور دراصل پراکرتوں کا دور کہلاتا ہے۔ پراکرت کسی ایک زبان کا نام نہیں بلکہ کئی ایک زبانوں کے مجموعے کا نام ہے۔ پراکرتوں سے مراد وہ فطری زبانیں ہیں جو قواعد کی پابندیوں اور جکڑ بندیوں کے سبب سنسکرت کے پہلو بہ پہلو وجود میں آئیں۔ اس کے تین دور ہیں۔

۱۔ پہلا دور

۵۰۰ ق۔م سے مسیحی سنہ کی ابتداء تک کا دور ہے۔ یہ دور پالی پراکرت کا دور ہے۔ جب سنسکرت دیو بانی ہوگئی تو مقامی بولیاں ویدک زبان کے فطری رجحان پر چل پڑیں اور عوام کی زبان ایک مخلوط زبان ہوتی گئی۔ یہ پراکرت کا پہلا روپ تھا۔ پراکرت کا پہلا ادبی روپ ''پالی'' کا ہے۔ پالی کے سب سے قدیم نمونے بدھ اور جینیوں کی مذہبی کتابوں یا پھر اشوک (۲۵۰ ق۔م) کی لاٹوں پر کندہ کیے ہوئے ملتے ہیں۔

لفظ پالی سنسکرت کے لفظ ''پنکتی'' سے نکلا ہے جس کے معنی گروہ، انبوہ، جتھا، پانچ کا مجموعہ کے ہیں۔ اس پالی کو قدیم مگدھی بھی کہتے ہیں۔ پالی میں مذہبی شاعری، کہانیاں اور قواعد و لغت بھی ملتے ہیں۔ پالی اس زمانے میں مقبولِ عام زبان تھی۔ اس لیے جین مت اور بدھ مت کی تعلیمات اسی زبان میں دی جاتی تھیں۔

۲۔ دوسرا دور

وسطی ہند آریائی کا دوسرا دور مسیح سنہ کی ابتداء سے ۵۰۰ء تک شمار کیا جاتا ہے۔ اس عہد میں جو پراکرتیں عوام میں مشہور ہوئیں، وہ پانچ ہیں:

1۔ شورسینی پراکرت

2۔ مہاراشٹری پراکرت

3۔ اردھ مگدھی پراکرت

4۔ مگدھی پراکرت

5۔ پیشاچی پراکرت

شورسینی پراکرت:

اس کا مرکز شورسین یعنی متھرا کا علاقہ تھا۔ سنسکرت کے بعد اعلیٰ طبقے میں اگر کسی پراکرت کا رواج تھا تو وہ یہی زبان تھی، جس میں سنسکرت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

مہاراشٹری پراکرت:

یہ جنوب کی پراکرت ہے۔ مراٹھی اسی سے نکلی ہوئی زبان ہے۔ یہ شاعری اور موسیقی کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ سنسکرت کے ڈراموں کے گیت اسی میں لکھے جاتے تھے، جس کی وجہ سے اسے ملک گیر مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اس میں حروفِ علت کی کثرت ہے، جس کی وجہ سے اس میں زیادہ لوچ پیدا ہوگیا ہے۔ پراکرتوں میں سب سے پہلے مہاراشٹری کی قواعد مرتب ہوئی۔ اس میں نظم ونثر کا قیمتی سرمایہ ملتا ہے۔

اردھ مگدھی پراکرت:

اس کے لفظی معنی ''آدھی مگدھی'' کے ہیں۔ اس کا علاقہ اودھ اور مشرقی اتر پردیش تھا۔ یہ تمام پراکرتوں میں سب سے قدیم ہے۔ اس میں اشوک کی تعلیمات کا بھی پرچار رہا ہے۔ مغربی ہندوستان کے رہنے والے اسے ''پراچیہ'' کہا کرتے تھے۔ پراچیہ کے تحت مگدھی اور اردھ مگدھی دونوں آجاتی ہیں۔ اس کا رواج اس زمانے کے شاہی خاندانوں میں بھی رہا ہے۔ شاہی زبان ہونے کی وجہ سے یہ دوسری پراکرتوں پر بھی اثرانداز ہوئی۔ اس میں نظم ونثر دونوں ملتے ہیں۔

مگدھی پراکرت:

یہ پورے مشرقی ہندوستان کی بولی تھی۔ اس کا مرکز مگدھ یعنی جنوبی بہار تھا۔ چونکہ یہ آریاؤں کے مرکز سے دور تھی، اس لیے اس پر غیر آریائی بولیوں کا شدید اثر ملتا ہے۔ اس لیے آریا اس پراکرت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سنسکرت ڈراموں میں نچلے طبقے کے کرداروں کے

مکالمے اسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔

پیشاچی پراکرت:

سنسکرت میں پیشاچی ''بھوت'' کو کہتے ہیں۔ پیشاچی کے معنی کچا گوشت کھانے والے کے بھی بتائے جاتے ہیں۔ یہ سنسکرت کی ایک اہم عصر بولی ہے۔ یہ زبان بول چال میں زیادہ استعمال ہوتی رہی ہے، جس کی وجہ سے اس میں کئی بولیوں کی ملاوٹ عمل میں آئی۔ اس لیے سنسکرت کے علما اسے بڑی حقارت سے دیکھتے تھے۔

تیسرا دور

یہ دور ۵۰۰ء تا ۱۰۰۰ء پر محیط ہے۔ یہ دور اپ بھرنش کا دور کہلاتا ہے۔ اپ بھرنش کے معنی بگڑی زبان کے ہیں۔ اپ بھرنش کا لفظ پہلی بار بھرت کے ''ناٹیہ شاستر'' میں ملتا ہے۔ اس کے بعد کالی داس کے ''وکرم اروشی'' میں نظر آتا ہے۔ شروع شروع میں لفظ اپ بھرنش کسی خاص زبان کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا۔ پڑھے لکھے ان پڑھوں کی زبان کو ''اپ بھرنش'' یا ''اپ بھاشا'' کہا کرتے تھے۔ سنسکرت میں اپ بھرنش کے لیے ''ملیچھ'' بھی استعمال ہوا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں اپنی تصنیف ''مقدمہ تاریخ زبانِ اردو'' میں لکھتے ہیں کہ لفظ ''اپ بھرنش'' ایک خاص زبان کے معنوں میں سب سے پہلے ہیم چندر نے استعمال کیا۔ یہ زبان عوام میں اتنی مقبول ہوگئی کہ تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ گجرات، راجپوتانہ اور دوآبہ میں بولی جانے والی اکثر بولیوں پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ ۷۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک دوآبہ کی شورسینی اپ بھرنش ایک طرح سے سارے شمالی ہندوستان کی ادبی زبان بن گئی تھی۔

ہندوستان کی جدید زبانوں کی پیدائش پراکرتوں سے نہیں بلکہ اپ بھرنش سے ہوئی ہے۔ جس طرح سنسکرت کو دھکیل کر پراکرتوں نے جگہ لی تھی، اسی طرح فطری ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے اپ بھرنشوں نے پراکرتوں کو ہٹا کر خود اپنی جگہ بنالی۔ اپ بھرنش جدید ہند آریائی زبانوں کے طلوع سے پہلے شمالی ہند میں بول چال اور تخلیقِ ادب کی سب سے متحرک اور اہم زبان رہی ہے۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے اپ بھرنش قرونِ وسطیٰ میں بھارتی آریائی زبانوں کی آخری زبان ہے جو پراکرت اور جدید زبانوں کی درمیانی کڑی ہے۔ ماہرین کے نزدیک پانچ معیاری اپ بھرنشیں ہیں۔

(۱) شورسینی اپ بھرنش

(۲) مگدھی اپ بھرنش

(۳) اردھ مگدھی اپ بھرنش

(۴)　مہاراشٹری اپ بھرنش

(۵)　پراچڑاپ بھرنش

ان میں شورسینی اپ بھرنش ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔شورسینی اپ بھرنش میں مندرجہ ذیل چار بولیاں شامل ہیں:

۱۔　کھڑی بولی یا ہندوستانی (موجودہ اردو، ہندی)

۲۔　راجستھانی

۳۔　پنجابی

۴۔　گجراتی

شورسینی اپ بھرنش کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کی کھڑی بولی ایک وسیع علاقے میں بولی جاتی تھی، اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ اس علاقے کی تمام بولیاں ضرور اسی سے نکلی ہوں گی۔کھڑی بولی کو آج بھی اتنا عروج حاصل ہے کہ ہندوستان کی کسی بھی زبان کو کسی بھی زمانے میں حاصل نہ تھا۔ادھر راجپوتوں کے زیرِ اثر دوآبہ کی زبان برج بھاشا چمکنے لگی اور سارے شمالی ہندوستان میں مقبول ہوگئی۔اس دوآبہ کی ایک بولی یعنی کھڑی بولی ہندوستان کی لنگوافرینکا (Lingua Franca) یعنی رابطے کی زبان سمجھی جاتی ہے۔

جدید ہند آریائی ۱۰۰۰ء تا زمانہ حال

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ جدید ہند آریائی زبانیں کس سنہ سے شروع ہوئیں۔ایک اندازے کے مطابق ۱۰۰۰ء جدید ہند آریائی کے آغاز کا زمانہ مانا جاتا ہے۔اس وقت ہندوستان میں اہم سیاسی اور تہذیبی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔مسلمان حملہ آور تیزی سے ہندوستان میں اپنے قدم جما رہے تھے۔شمالی و مشرقی ہندوستان میں یہ لوگ دسویں صدی کے آخری حصے میں آئے اور اس کے بعد سارے ملک میں پھیلتے رہے۔محمود غزنوی کی حکومت پنجاب میں تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زیادہ قائم رہی۔محمد غوری نے بارہویں صدی میں پرتھوی راج کو شکست دی، تیرہویں صدی کی ابتداء میں غلام خاندان کی بنیاد دہلی میں پڑی، چودھویں صدی عیسوی میں خلجی حکومت دکن تک پھیل گئی اور تغلق حکومت کے خاتمے پر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں انتشار اور بدامنی پھیلنے لگی۔

سولہویں صدی میں جب مغل سلطنت قائم ہوئی تو اس کے بعد ملک میں مضبوط اور محکم حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔اس طرح یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جدید ہند آریائی زبانوں کی تشکیل کا زمانہ تاریخی، سماجی اور سیاسی لحاظ سے سخت الٹ پھیر کا زمانہ تھا۔اسلامی تہذیب، معاشرت اور مسلمان

فاتحین کی زبانوں کا اختلاط یہاں کی مقامی تہذیب وتمدن اور زبانوں سے ہونے لگا جس سے جدید ہند آریائی کے ارتقاء میں کافی مدد ملی۔

ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے اپنی کتاب ''انڈو آرین اینڈ ہندی'' میں لکھا ہے کہ

''اگر مسلمانوں نے ہندوستان میں فتوحات حاصل نہ کی ہوتیں تب بھی جدید ہند آریائی زبانیں پیدا ہوتیں لیکن انہیں جو سنجیدہ ادبی حیثیت حاصل ہوگئی ہے اس میں ضرور دیر ہوتی۔''

پروفیسر مسعود حسین خان کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے ساتھ ایک نیا تمدن اور ایک نئی زبان کی آمد ہوئی۔ انہوں نے سنسکرت کے فسوں کو توڑ کر بہت جلد ہندوستان کی نئی زبان کو اپنے بل پر کھڑا ہونا سکھایا۔ زمانہ قدیم میں ہندعرب تعلقات ہوں یا ہندایران کے غزنوی وغوری کے پے درپے حملے ہوں یا صوفیوں اور سنتوں کی خدمات، جیسے تمام تاریخی وسماجی محرکات نے اردو زبان کو قبول عام کا شرف بخشا اور یہی ہند آریائی زبان کا مختصر تاریخی وسماجی پس منظر ہے۔ اردو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب وتمدن کی آئینہ دار ہے اور جمہوریہ ہند کی تسلیم شدہ بائیس زبانوں میں سے ایک ہے۔ جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے یہ ایک ہند آریائی زبان ہے۔ ہند آریائی زبان کا شمار قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔ اس زبان کے نمونوں کا نہ صرف اٹوٹ سلسلہ ملتا ہے بلکہ قبل مسیح دور میں اس کی مفصل تجزیاتی قواعد بھی ملتی ہیں جن میں لسانیاتی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''ہند آریائی زبان۔ تاریخی وسماجی پس منظر'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 4.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

۔۔۔۔۔۔کی سب سے پہلی جھلک ہمیں آخری براہمنوں، اپنشدوں اور سوتروں میں ملتی ہے۔ ابتدا میں لفظ سنسکرت صفت کے طور پر استعمال ہوتا تھا جس کے معنی ۔۔۔۔۔۔زبان کے ہیں۔ رفتہ رفتہ سنسکرت ایک زبان کا نام ہوگیا۔ شستہ زبان ہونے کی وجہ سے ۔۔۔۔۔تصنیفات اس میں ہونے لگیں۔

4.4۔عمومی جائزہ:۔

زمان و مکاں کے اعتبار سے زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں کبھی اشتراک ہوتا ہے تو کبھی اختلاف اور کبھی یکسانیت، جس کی وجہ سے زبانوں کے مختلف خاندان ہو گئے ہیں یا انہیں مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہند آریائی زبانیں ہند یورپی خاندانِ السنہ کی ہندایرانی شاخ کی ایک ذیلی شاخ ہیں۔ یہ انڈک کے نام سے بھی معروف ہے۔ SIL Institute کی 2005ء کی تحقیق کے مطابق ہند آریائی زبانوں میں 209 زبانیں شامل ہیں۔بعض امتیازی خصوصیات کی بنا پر زبانوں کے ہند یورپی خاندان کی بڑی اہمیت ہے۔ ہندوستان میں ہند یورپی خاندان کا سلسلہ بڑا دراز ہے۔ یہ خاندان اپنے ارتقائی دور میں ہندایرانی سے گزر کر ہند آریائی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

ہند آریائی کا ارتقاء:

ہندوستان کی موجودہ زبانیں اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جن میں اردو بھی ایک ہے۔اردو کی ابتداء اور ارتقاء کا مطالعہ کرنے کے لیے ہند آریائی کے ارتقاء کا جائزہ لینا ضروری ہے، جس کا گہرا تعلق ہندوستان میں آریاؤں کی آمد سے ہے۔آریاؤں کی قدیم کتابوں میں ان کے اصل وطن اور ہندوستان میں ان کی آمد کے سلسلے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔زیادہ تر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خانہ بدوش لوگ تھے جو دنیا کے مختلف خطوں میں پھیل گئے۔ جہاں بھی گئے وہ کسی منظّم شکل میں مقیم نہیں رہے بلکہ تلاشِ معاش میں جہاں مناسب جگہ ملی وہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو کر آباد ہو گئے۔ ہندوستان ایک زرخیز ملک تھا۔ یہاں خوش حال زندگی گزارنے کے پورے امکانات موجود تھے۔اس لیے ان کی بڑی تعداد یہاں آ گئی۔بعض قدیم کتابوں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آریا لوگ تبت سے ہندوستان میں آئے۔ چند سنسکرت کے عالموں کا خیال ہے کہ یہ ہندوستان ہی کے باشندے تھے جو بعد میں مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ تاہم ان نظریات کے متعلق کوئی تحقیقی ثبوت نہیں ملتا۔ زیادہ تر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ آریوں کا اصل وطن وسطی ایشیا تھا۔ یہ لوگ جنوب مغربی روس کے علاقے سے چل کر عراق، ایران اور افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔

ہندوستان میں آریاؤں کی آمد:

ہندوستان میں آریاؤں کے داخلے کا زمانہ ۱۵۰۰ق۔م مقرر کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں آریاؤں کا سابقہ دراوڑی اور آسٹرک قوموں سے پڑا۔ دراوڑیوں سے ان کا مقابلہ مغربی اور شمال مغربی ہندوستان میں ہوا، جب کہ آسٹرک زیادہ تر مشرقی اور وسطی ہند کے علاقوں میں آباد

تھے۔ان قوموں کوزیر کرنے میں انہیں کافی جدوجہد کرنی پڑی۔اس جدوجہد کی جھلکیاں رگ وید کے بعض قصوں میں پائی جاتی ہیں۔فاتح اور مفتوح آخر میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں آریاؤں کا ایک ایسے تمدن سے سابقہ پڑا تھا جو کئی لحاظ سے آریاؤں کے تمدن پر فوقیت رکھتا تھا۔آریاؤں نے دراوڑی مذہب سے بہت سے عناصر قبول کر لیے۔بعض دیوی دیوتاؤں کے تصورات، کچھ کھانے پینے کی چیزیں، پان، سپاری،لباس میں دھوتی اور ساڑی خالص دراوڑی عناصر ہیں۔ان زبانوں کا آریائی زبان کی قواعد اورصوتیات پر کافی اثر پڑااور آریائی زبان ہند ایرانی مرحلے سے گزر کر ہند آریائی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہندوستان میں آریاؤں کی آمد اور ہند آریائی زبانوں کے ارتقا سے متعلق مختلف نظریات ملتے ہیں جن کے مطالعے کے بعد ماہرینِ لسانیات نے ہند آریائی زبانوں کی ترقی کے تین مدارج بتائے ہیں۔

۱۔ قدیم ہند آریائی ۱۵۰۰ق۔م تا ۵۰۰ ق م

۲۔ وسطی ہند آریائی ۵۰۰ ق۔م تا ۱۰۰۰ء

۳۔ جدید ہند آریائی ۱۰۰۰ء تا زمانہ حال

ہندوستان کی جدید زبانوں کی پیدائش پراکرتوں سے نہیں بلکہ اپ بھرنش سے ہوتی ہے۔جس طرح سنسکرت کو دھکیل کر پراکرتوں نے جگہ لی تھی اسی طرح فطری ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے اپ بھرنشوں نے پراکرتوں کو ہٹا کر خود اپنی جگہ بنائی۔اپ بھرنش جدید ہند آریائی زبانوں کے طلوع سے پہلے شمالی ہند میں بول چال اور تخلیقِ ادب کی سب سے متحرک اور اہم زبان رہی ہے۔لسانیاتی نقطہ نظر سے اپ بھرنش قرونِ وسطیٰ میں بھارتی آریائی زبانوں کی آخری زبان ہے جو پراکرت اور جدید زبانوں کی درمیانی کڑی ہے۔ ماہرین کے نزدیک پانچ معیاری اپ بھرنشیں ہیں۔

(۱) شورسینی اپ بھرنش

(۲) مگدھی اپ بھرنش

(۳) اردھ مگدھی اپ بھرنش

(۴) مہاراشٹری اپ بھرنش

(۵) پراچڈ اپ بھرنش

ان میں شورسینی اپ بھرنش ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔شورسینی اپ بھرنش میں مندرجہ ذیل چار بولیاں شامل ہیں:

۱۔ کھڑی بولی یا ہندوستانی (موجودہ اردو، ہندی)

۲۔ راجستھانی

۳۔ پنجابی

۴۔ گجراتی

شورسینی اپ بھرنش کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کی کھڑی بولی ایک وسیع علاقے میں بولی جاتی تھی، اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ اس علاقے کی تمام بولیاں ضرور اسی سے نکلی ہوں گی۔ کھڑی بولی کو آج بھی اتنا عروج حاصل ہے کہ ہندوستان کی کسی بھی زبان کو کسی بھی زمانے میں حاصل نہ تھا۔ ادھر راجپوتوں کے زیر اثر دوآبہ کی زبان برج بھاشا چمکنے لگی اور سارے شمالی ہندوستان میں مقبول ہوگئی۔ اس دوآبہ کی ایک بولی یعنی کھڑی بولی ہندوستان کی لنگوا فرینکا (Lingua Franca) یعنی رابطے کی زبان سمجھی جاتی ہے۔

جدید ہند آریائی ۱۰۰۰ء تا زمانہ حال

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ جدید ہند آریائی زبانیں کس سنہ سے شروع ہوئیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۰۰۰ء جدید ہند آریائی کے آغاز کا زمانہ مانا جاتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں اہم سیاسی اور تہذیبی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ مسلمان حملہ آور تیزی سے ہندوستان میں اپنے قدم جما رہے تھے۔ شمالی و مشرقی ہندوستان میں یہ لوگ دسویں صدی کے آخری حصے میں آئے اور اس کے بعد سارے ملک میں پھیلتے رہے۔ محمود غزنوی کی حکومت پنجاب میں تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زیادہ قائم رہی۔ محمد غوری نے بارہویں صدی میں پرتھوی راج کو شکست دی، تیرہویں صدی کی ابتداء میں غلام خاندان کی بنیاد دہلی میں پڑی، چودھویں صدی عیسوی میں خلجی حکومت دکن تک پھیل گئی اور تغلق حکومت کے خاتمے پر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں انتشار اور بدامنی پھیلنے لگی۔

سولہویں صدی میں جب مغل سلطنت قائم ہوئی تو اس کے بعد ملک میں مضبوط اور مستحکم حکومت کی بنیاد پڑی۔ اس طرح یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ جدید ہند آریائی زبانوں کی تشکیل کا زمانہ تاریخی، سماجی اور سیاسی لحاظ سے سخت الٹ پھیر کا زمانہ تھا۔ اسلامی تہذیب، معاشرت اور مسلمان فاتحین کی زبانوں کا اختلاط یہاں کی مقامی تہذیب و تمدن اور زبانوں سے ہونے لگا جس سے جدید ہند آریائی کے ارتقاء میں کافی مدد ملی۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے اپنی کتاب ''انڈو آرین اینڈ ہندی'' میں لکھا ہے کہ ''اگر مسلمانوں نے ہندوستان میں فتوحات حاصل نہ کی ہوتیں تب بھی جدید ہند آریائی زبانیں پیدا ہوتیں لیکن انہیں جو سنجیدہ ادبی حیثیت حاصل ہوگئی ہے اس میں ضرور دیر ہوتی۔''

پروفیسر مسعود حسین خان کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے ساتھ ایک نیا تمدن اور ایک نئی زبان کی آمد ہوئی۔انہوں نے سنسکرت کے فسوں کو توڑ کر بہت جلد ہندوستان کی نئی زبان کو اپنے بل پر کھڑا ہونا سکھایا۔زمانہ قدیم میں ہندو عرب کے تعلقات ہوں یا ہند ایران کے غزنوی وغوری کے پے در پے حملے ہوں یا صوفیوں اور سنتوں کی خدمات، جیسے تمام تاریخی وسماجی محرکات نے اردو زبان کو قبولِ عام کا شرف بخشا اور یہی ہند آریائی زبان کا مختصر تاریخی وسماجی پس منظر ہے۔

4.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
کارکن	کام کرنے والا	آسائش	آرام
جمود	ٹھہراؤ	خاندانِ زبان	زبانوں کا خاندان
زمرے	گروپ	مزاحمت	رکاوٹ
پکارنا	بلانا	جنم	پیدائش
ہجرت	نقلِ مکانی	باہمی	آپسی
ارتقا	ترقی	گروہ	جماعت
قدامت	قدیم ہونا	تاخیر	دیری
استوار	مضبوط	پرآشوب	انتشار
دوری	انحراف	آمدورفت	آنا جانا
اندرون	باطن	قول	کہا ہوا
تشکیلی دور	بننے کا زمانہ	تغیر	تبدیلی
تلفظ	ادائیگی	خارجی	بیرونی
داخلی	اندرونی	مسلط	قبضہ کرنا

تہذیب	ثقافت	تمدن	طرزِ معاشرت
استفادہ	فائدہ اٹھانا		

4.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ پراکرت کسے کہتے ہیں؟اس کی اقسام کی وضاحت کریں؟

۲۔ اپ بھرنش کسے کہتے ہیں؟اس کی اقسام بیان کیجیے؟

۳۔ جدید ہند آریائی زبانوں کی وضاحت کریں؟

۴۔ جدید ہند آریائی ادوار کی وضاحت کریں؟

4.7۔مشقی سوالات :۔

1۔ہند آریائی زبانوں کے ارتقا میں آریاؤں اور دراوڑی تہذیب کے باہمی اختلاط کے کیا لسانی اثرات مرتب ہوئے؟

2۔شورسینی اپ بھرنش کو دیگر اپ بھرنشوں پر فوقیت کیوں حاصل ہے؟

3۔جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقا میں مسلمانوں کی آمد کو اہم موڑ کیوں تصور کیا جاتا ہے؟

14.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

1۔آریاؤں نے دراوڑی تہذیب سے متعدد مذہبی، سماجی اور ثقافتی عناصر قبول کیے۔اس اختلاط کے نتیجے میں ہند آریائی زبانوں کی قواعد، صوتیات اور الفاظ کے ذخیرے پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

2۔شورسینی اپ بھرنش سے کھڑی بولی، پنجابی، راجستھانی اور گجراتی جیسی اہم بولیاں وابستہ ہیں۔اسی بنا پر اسے شمالی ہندوستان کی لسانی ترقی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

3۔مسلمانوں کی آمد سے مقامی زبانوں کا اختلاط فارسی، عربی اور ترکی زبانوں سے ہوا۔اس تہذیبی و لسانی میل جول نے جدید ہند آریائی زبانوں خصوصاً اردو کے ارتقا کو تیز تر کر دیا۔

(جوابات سرگرمی: ا۔ادبی سنسکرت، ۲۔صاف اور شستہ، ۳۔ادبی۔)

4.9۔امدادی کتب:۔

ا۔مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو	پروفیسر مسعود حسین خاں
۲۔اردو کی لسانی تشکیل	ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ
۳۔ہند آریائی اور ہندی	سنیتی کمار چٹر جی، مترجم: عتیق احمد صدیقی
۴۔ہند آریائی اور اردو	ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی قادری

سبق نمبر ۵۔ ہند آریائی زبان کا ارتقاء
(قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی، جدید ہند آریائی)

ساخت

5.0۔ اغراض ومقاصد
5.1۔ تعارف
5.2۔ ہند آریائی زبان کا ارتقاء۔(قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی، جدید ہند آریائی)
5.3۔ جدید ہند آریائی
سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)
5.4۔ عمومی جائزہ
5.5۔ فرہنگ
5.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
5.7۔ مشقی سوالات
5.8۔ مشقی سوالات کے جوابات / جوابات سرگرمی:۔
5.9۔ امدادی کتب

5.0۔ اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

ہندآریائی زبانوں اوران کے لسانی پس منظر سے آگاہ ہوں گے۔ ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء کے مختلف ادوار کو سمجھ سکیں گے۔قدیم، درمیانی اور جدید ہند آریائی زبانوں کی خصوصیات سے واقف ہونگے۔سنسکرت، پالی، پراکرت اوراپ بھرنش کی اہمیت کو جان سکیں گے۔ ہند آریائی زبانوں کی مختلف شاخوں اوران کے باہمی تعلقات کا مطالعہ کرسکیں گے۔ جدید ہند آریائی زبانوں کی تشکیل اور ارتقاء کے عوامل کو سمجھ سکیں گے۔ ہندی، اردو، پنجابی، بنگالی، گجراتی، مراٹھی اور دیگر ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء سے واقف ہونگے۔

5.1۔تعارف:۔

ہندوستان دنیا کے اُن ممالک میں شمار ہوتا ہے جہاں لسانی، تہذیبی اور ثقافتی تنوع اپنی مکمل آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔مختلف نسلوں، قوموں اور تہذیبوں کے اختلاط نے یہاں بے شمار زبانوں اور بولیوں کو جنم دیا۔ان زبانوں میں ہند آریائی زبانوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ برصغیر میں بولی جانے والی بیشتر زبانیں اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہند آریائی زبانیں ہند یورپی لسانی خاندان کی ایک اہم شاخ ہیں جن کی تاریخ ہزاروں برس پر محیط ہے اور جن کے ارتقاء نے برصغیر کی تہذیبی، ادبی اور فکری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ آریا مختلف ادوار میں مختلف گروہوں کی صورت میں ہندوستان آئے۔ان کے ساتھ آنے والی بولیاں وقت گزرنے کے ساتھ مختلف علاقوں میں پھیلتی رہیں اور مقامی اثرات قبول کرتی رہیں۔ یہی بولیاں بعد میں پراکرتوں کی شکل میں سامنے آئیں۔اگرچہ مختلف علاقوں میں بول چال کی زبانیں جداگانہ انداز میں ترقی کرتی رہیں، تاہم علمی، مذہبی اور ادبی ضروریات کے لیے ایک معیاری زبان بھی وجود میں آئی جسے سنسکرت کے نام سے جانا جاتا ہے۔سنسکرت نے طویل عرصے تک علمی اور مذہبی زبان کی حیثیت برقرار رکھی اور بعد کی زبانوں پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ ہند آریائی زبانوں کا ارتقا عموماً تین بڑے ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے: قدیم ہند آریائی، درمیانی ہند آریائی اور جدید ہند آریائی۔قدیم دور میں وید، برہمنہ، اپنشد اور سنسکرت ادب نے فروغ پایا، جبکہ درمیانی دور میں پراکرتوں اور پالی جیسی زبانوں نے ترقی کی اور بدھ مت وجین مت کے مذہبی ادب نے ان زبانوں کو وسعت بخشی۔ بعدازاں اپ بھرنش کی مختلف صورتوں سے جدید ہند آریائی زبانوں نے جنم لیا۔

جدید ہند آریائی دور میں سماجی، سیاسی اور ثقافتی تبدیلیوں کے نتیجے میں زبانوں کی نئی شکلیں سامنے آئیں۔مسلمانوں کی آمد کے بعد فارسی اور عربی زبانوں کے اثرات بھی شامل ہوئے، جس کے نتیجے میں اردو، ہندی، پنجابی، سندھی، گجراتی، مراٹھی، بنگالی، آسامی، اڑیا اور دیگر

زبانوں نے اپنی موجودہ صورت اختیار کی۔ان زبانوں نے نہ صرف اپنے اپنے علاقوں کی تہذیبی شناخت کو مضبوط کیا بلکہ ادب،علم اور ثقافت کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ہند آریائی زبانوں کا مطالعہ ہمیں صرف زبانوں کی تاریخ سے ہی آگاہ نہیں کرتا بلکہ برصغیر کی تہذیبی، سماجی اور فکری تاریخ کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء کا مطالعہ لسانیات، ادب اور تاریخ کے طلبہ کے لیے یکساں اہمیت رکھتا ہے۔

5.2۔ ہندآریائی زبان کا ارتقاء۔(قدیم ہندآریائی، وسطی ہندآریائی، جدید ہندآریائی):۔

زبانوں کا تنوع:

ہندوستان کہنے کو تو ایک ملک ہے، لیکن اپنی وسعت اور آبادی کے اعتبار سے وہ ایک براعظم کے برابر ہے۔ یہاں کئی نسل کے لوگ بستے ہیں، اس لحاظ سے یہاں کی زبانوں میں بھی بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جتنی زبانیں بولی جاتی ہیں اُنھیں چار خاندانوں پر منقسم کیا گیا ہے:

1۔ ہندیورپی یا آریائی خاندان

2۔ دراوڑی خاندان

3۔ تبت چینی خاندان

4۔ آسٹرک خاندان

ہندآریائی زبانیں:

ہندیورپی خاندان کی جو زبانیں ہندوستان میں بولی جاتی ہیں، وہ ہندآریائی کہلاتی ہیں۔اس شاخ کی زبانوں کو آریائی زبانیں بھی کہتے ہیں۔آریائی زبانیں بولنے والے اپنے اصلی وطن سے نقلِ مقام کر کے مختلف مقامات پر ایک ہی وقت میں منتقل نہیں ہو گئے بلکہ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ مختلف زمانوں میں منتقل ہوتا گیا۔ ہندوستان اور ایران کی طرف آنے والے آریا ایک ہی راستے سے نہیں آئے بلکہ کئی راستوں سے آتے رہے۔وہ زبانیں جو دردی کہلاتی ہیں، ان گروہوں کی زبانیں ہیں جو ہندوستانی زبانوں کی تشکیل پانے سے پہلے الگ ہو گئے تھے۔

آریائی زبانوں کے آپسی رشتے ذیل کے شجرے میں دکھائے گئے ہیں:

آریائی زبانیں

ایرانی   ہندآریائی جیسی بولیاں جوآرمینیا اور یورپ میں بولی جاتی ہیں

مغربی   مشرقی   بیرونی حلقے   درمیانی حلقے   اندرونی حلقے کی زبانیں

(فارسی)

افغانی   پامیری

بلوچی   غلاچہ   شمالی   وسطی   جنوبی   مغربی

پہاڑی

گجراتی   پنجابی   شمالی مغربی   جنوبی   مشرقی

مشرقی ہندی

ہندی   سندھی   مرہٹی   سنہالی   پہاڑی   اڑیا   بنگالی   آسامی   مغربی ہندی   راجستھانی

اردو   ہندی

ہارنلے کا نظریہ:

اندرونی، درمیانی اور بیرونی حلقوں کا خیال سب سے پہلے ہارنلے نے پیدا کیا تھا۔اس کا خیال یہ تھا کہ آریہ جب ہندوستان آئے تو پہلے پہل آنے والے پنجاب میں ٹھہرے۔ بعد میں جوگروآئے، اس نے انھیں مشرق کی طرف دھکیل دیا۔آریہ لوگ مدھیہ دیش میں آکر بس گئے۔مدھیہ دیش کو''آریہ ورتہ''یعنی''بابِ آریہ'' بھی کہتے تھے۔بعد میں آنے والے آریا ان کے علاقے میں گھس گئے اور ان کو چاروں طرف منتشر کردیا۔ہارنلے کا یہ نظریہ''پچر نظریہ'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں آنے والے آریہ، پہلے کے لوگوں میں پچر کی طرح درآئے اور انھیں شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف دھکیل دیا۔اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے ہارنلے نے ہر حلقے کی زبانوں کی آپسی مماثلت سے بھی مدد لی ہے۔بعد میں گریرسن نے حلقوں کے نظریہ کو تو قبول کرلیا لیکن اس کی بنیاد دوسری تھی۔اس کا خیال یہ ہے کہ پہلے آنے والے آریہ مدھیہ دیش میں بس گئے تھے۔بعد میں جوگروہ آئے، وہ اُن کے اطراف پھیلتے گئے۔جب قدیم باشندوں نے نئے آنے والوں میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پایا تو انھوں نے پھیلنے کی کوشش کی، اور اس کوشش میں وہ ہمالیہ کی طرف بڑھے اور نیپال کی وادیوں میں اور

کشمیر کے علاقوں تک پہنچ گئے۔ جنوب میں وہ گجرات تک اور مشرق میں بنارس تک پہنچ گئے۔ آریہ جس طرح مختلف اوقات اور مختلف گروہوں میں ہندوستان آئے تھے، اُس سے ظاہر ہے کہ مختلف زمانوں میں آنے والے گروہ الگ الگ اور مشابہ بولیاں بولتے تھے۔ یہی بولیاں بعد میں پراکرتوں کی شکل میں متعین ہوئیں، لیکن ان مختلف بولیوں کے بولنے والوں کے آپس میں علمی ارتباط اور مذہبی اظہار کے لیے ایک بولی معیاری بن گئی، جسے خاص طور پر پروہتوں نے مذہبی تحریروں کے لیے نشو ونما دیا۔ یہ علمی زبان ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کے مختلف مدارج میں تھوڑے بہت تغیرات کے ساتھ معیار بنی رہی، گو بول چال کی زبانیں تہذیبی ارتقاء کے مختلف مراحل میں تبدیل ہوتی رہیں۔

ہند آریائی زبانیں موجودہ روپ تک پہنچنے کے لیے ارتقاء کے تین معین مرحلوں سے گزری ہیں۔ یہ تین مرحلے (۱) قدیم ہند آریائی، (۲) درمیانی ہند آریائی اور (۳) جدید ہند آریائی کہلاتے ہیں۔ ان مرحلوں کی زبانوں کے لیے متبادل نام ابتدائی پراکرتیں، ثانوی پراکرتیں اور جدید پراکرتیں بھی تجویز کیے گئے ہیں۔

قدیم ہند آریائی:

یہ ابتدائی پراکرتوں کا دور ہے جو تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۶۰۰ قبل مسیح تک رہا۔ اس دور میں دو طرح کی زبانیں ملتی ہیں۔ ایک بول چال کی زبانیں، دوسری ادبی زبانیں۔ ان میں جغرافیائی اعتبار سے جو صوتی اور بعض مخصوص صورتوں میں تشکیلاتی فرق پیدا ہو گئے تھے، ان کے مدنظر ابتدائی پراکرتوں کے پانچ گروہ متعین کیے گئے ہیں۔ شمالی، مغربی، جنوبی، مشرقی اور وسطی زبانیں۔ یہ غالباً ابتداء میں آنے والے آریوں کی بولیاں تھیں اور باقی ان گروہوں کی، جو بعد میں ہندوستان آئے اور وسطی گروہ کے اطراف کے علاقوں میں پھیلتے گئے۔ اس دور کے اہم آثار، ویدی گیت ہیں۔ ان کا آغاز عملاً آریوں کے ہندوستان آنے سے قبل ہو چکا تھا، لیکن ان کی ترتیب کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ مختلف ویدوں میں بھی بولیوں کے فرق، لفظوں کے روپ اور قواعدی روپ کے اختلاف کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ویدوں کے علاوہ اس دور کے دوسرے کارنامے برہمن اور اپنشد ہیں۔ ان کی زبان کو کبھی ویدی اور کبھی بعد ویدی سنسکرت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سنسکرت

ابتدائی پراکرتوں کے دور کی ادبی زبان سنسکرت کا قدیم تر روپ ہے۔ اس زبان کے معیار بن جانے کے باوجود اس میں تغیرات کے آثار ملتے ہیں۔ چنانچہ ''برہمن'' کی زبان ویدوں کی زبان سے مختلف ہے۔ اس دور کے آخر میں پانینی کی سنسکرت قواعد ''اشٹادھیائی'' لکھی گئی جس میں تفصیلی تشریح کے ذریعے زبان کو بالکل معین کر دیا گیا ہے۔ یہ کارنامہ زبان کے مطالعے کی حد تک ایک عظیم الشان کارنامہ تسلیم کیا جاتا ہے،

لیکن پانینی کے قواعد کی قطعیت نے سنسکرت زبان کے ارتقاء کو مسدود کر دیا۔ پھر بھی اس زبان کا اثر ہر دور کی زبانوں پر پڑتا رہا۔

درمیانی ہند آریائی

یہ ثانوی پراکرتیں تھیں، جن کا زمانہ ۶۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۱۰۰۰ء تک رہا۔ اس دور کو ہندوستانی قواعد نویس ''پراکرتوں کا دور'' بھی کہتے ہیں۔ اس دور تک بول چال کی زبانوں یا پراکرتوں نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ ان میں سے بعض ادبی اغراض کے لیے بھی استعمال ہونے لگی تھیں۔ ان میں سب سے پہلے پالی منظرِ عام پر آتی ہے۔ اس بولی کو ادبی زبان کے مرتبے تک بلند کرنے کا سہرا گوتم بدھ اور اُن کے پیروؤں کے سر ہے۔ پالی کے بارے میں قیاس یہ ہے کہ یہ مغربی علاقے کی پراکرت تھی۔ کچھ علماء اسے قدیم ماگدھی اور قدیم شورسینی کے اختلاط کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ کچھ اور علماء نے پالی کو مہاراشٹری سے مشتق زبان بتایا ہے۔ یہ زبان مختلف پراکرتیں بولنے والوں کے درمیان سنسکرت کے علی الرغم ایک مشترک عوامی زبان کا کام دینے لگی تھی۔ بدھ مت والوں کے اس کو ادبی اغراض کے لیے اختیار کرنے کی وجہ سے اس کا ادبی روپ سنسکرت کی طرح متعین ہو گیا اور اس کا ارتقاء رک گیا۔ عام عوام کی بول چال کی زبان برابر ترقی کرتی رہی اور ایک خیال یہ بھی ہے کہ جدید ہند آریائی کے دور میں یہی بولی ہندوستان میں مشترک زبان کی بنیاد بنی۔

درمیانی ہند آریائی کے زمانے کو تین ذیلی ادوار پر تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) پہلی پراکرتیں

(۲) درمیانی زمانے کی پراکرتیں

(۳) بعد کی پراکرتیں یا اپ بھرنش

ان میں سے پہلے دو دور کی پراکرتوں میں ادب پیدا ہوا اور آخری دور بول چال کی زبانوں تک محدود رہا۔ اور مشہور قواعد نویس ہیم چندر نے اپ بھرنش کے جو نمونے دیے ہیں، ان میں جدید ہند آریائی زبانوں کے آثار بھی ملتے ہیں۔ پہلی پراکرتوں کے تحریری باقیات اشوک کے عہد کے کتبے، بدھ مت کا مذہبی ادب اور جاتک کہانیاں ہیں۔ اس کے علاوہ جینیوں کی مذہبی کتابیں اور سنسکرت ناٹکوں کے مکالمے بھی ان میں ملتے ہیں۔ سنسکرت ناٹکوں میں سے بعض میں برہمنوں کے علاوہ دوسرے طبقے کے لوگوں سے پراکرتیں کہلوائی گئی ہیں۔ درمیانی دور کی پراکرتوں میں سے مہاراشٹری میں عمدہ منظومات ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ پشاچی کے کچھ نمونے قواعدوں میں دستیاب ہوتے ہیں۔ شورسینی پراکرت، مدھیہ دیش کی زبان تھی اور مشرقی پراکرت ماگدھی تھی۔ اس کا ایک اور روپ اردھ ماگدھی کہلاتا تھا، جس میں جین مت کے عقائد لکھے گئے ہیں۔ پراکرت

قواعدنویس مہاراشٹری کو معیاری پراکرت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور دوسری پراکرتوں کے اختلاف کو اس کے حوالے سے ظاہر کرتے ہیں۔

5.3۔جدید ہند آریائی:۔

جدید ہند آریائی یا بعد کی پراکرتوں کا دور ۱۰۰۰ء کے لگ بھگ شروع ہوتا ہے۔ جدید ہند آریائی زبانوں کا آغاز اور نشو و نما ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر تاراپور والا نے لکھا ہے، اس عہد میں ایرانی زبان اور اس کے توسط سے عربی زبان نے جدید زبانوں کے نشو و نما پر گہرا اثر ڈالا۔

مدھیہ دیش کے پراکرت سے مغربی ہندی اور اس کی مختلف شاخیں نشو و نما پاتی ہیں۔ اسی طرح پراچڈا اپ بھرنش سے سندھی عالمِ وجود میں آئی۔ مہاراشٹری اپ بھرنش کا ارتقاء مراٹھی اور اس کی دوسری بولیوں کی صورت میں ہوا، ماگدھی کی مختلف شاخیں بہاری، اڑیا، بنگالی اور آسامی کے روپ میں نمودار ہوئیں اور اردھ ماگدھی سے مشرقی ہندی پیدا ہوئی۔ لہندا اور پنجابی پشاچی اپ بھرنش کے علاقے سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن قواعدنویسوں نے اس اپ بھرنش کا نام نہیں بتایا جس سے یہ دونوں زبانیں پیدا ہوئیں۔ تاراپور والا نے پنجابی کی پیدائش میں شورسینی کے اثر کی نشاندہی کی ہے۔ مدھیہ دیش کی پراکرت اور بعد میں اپ بھرنش کا علاقہ یوں تو متھرا اور اس کے آس پاس کے علاقوں تک محدود تھا، لیکن یہ خطہ قدیم زمانے سے آریائی ہند کا قلب سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس کے علمی کارناموں کا اثر اور نفوذ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ خود مشرقی پنجاب کے علاقے تک یہ پراکرت پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ راجستھانی، پہاڑی، گجراتی وغیرہ کے ارتقا پر بھی اس نے کافی اثر ڈالا۔

بیرونی حلقے کی زبانیں:

ان زبانوں کے تین گروہ ہیں:

(۱) شمال مغربی

(۲) جنوبی

(۳) مشرقی

مغربی گروہ کی دو زبانیں ہیں جو وادی سندھ میں پہاڑی علاقے سے لے کر سمندر تک بولی جاتی ہیں۔ ان میں دردی زبان کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ لہندا کے معنی مغرب کے ہیں اور یہ زبان مغربی پنجاب میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان میں مختصر سا ادب بھی ہے۔ سندھی

اس کے پڑوس میں واقع ہے۔ ملتان کے قریب سندھی اور لہندا غیر محسوس طور پر مخلوط ہو جاتی ہیں۔ سندھی میں بھی ادبی ذخیرہ زیادہ نہیں ہے۔ یہ زبان عربی یا نسخ خط میں لکھی جاتی ہے۔

جنوبی گروہ کی دو زبانیں مرہٹی اور سنہالی ہیں۔ ان دونوں زبانوں میں بہت سی مشابہتیں ہیں۔ مرہٹی، مشرق میں اڑیا میں ضم ہو جاتی ہے لیکن مغرب میں گجراتی سے اس کا انضمام عمل میں نہیں آتا۔ مرہٹی میں وسیع اور بلند پایہ ادب کا کافی ذخیرہ ہے اور اس کا آغاز گیانیشور کی نظم ''گیانیشوری'' سے ہوتا ہے جو تیرھویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ قدیم دور کے گیتوں میں نام دیو، تکارام اور ایکناتھ کے گیت ادبِ عالیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جدید مرہٹی ادب نہایت وسیع اور ہر شعبہ علم پر حاوی ہے۔ سنہالی کا قدیم ادب زیادہ تر بدھ مت سے تعلق رکھتا ہے لیکن جدید ادب میں غیر مذہبی اصناف کا نشو و نما ہو رہا ہے۔

مشرقی گروہ کی زبانوں میں بہاری، اڑیا، بنگالی اور آسامی شامل ہیں۔ یہ چاروں زبانیں ماگدھی پراکرت سے نکلی ہیں۔ بہاری کی دو اہم بولیاں ہیں: (۱) میتھلی (۲) بھوج پوری۔ میتھلی میں ادب پندرھویں صدی عیسوی سے ملتا ہے۔ بنگالی جدید ہند آریائی زبانوں میں اپنے ادب کی وسعت اور بلندی کی وجہ سے امتیاز رکھتی ہے اس نے رابندر ناتھ ٹیگور جیسے عالمی شہرت کے شاعر اور ادیب پیدا کیے۔ موجودہ دور کے شعراء میں قاضی نذرالاسلام کافی شہرت رکھتے ہیں۔ آسامی کا ادبی سرمایہ زیادہ تر تاریخی ہے۔ بنگالی اس کی پڑوسی زبان ہے اور دونوں کے مقامِ اتصال پر چند مخلوط بولیاں نشو و نما پا گئی ہیں۔

درمیانی حلقے کی زبانیں:

ادب کی دنیا میں ادب کے آغاز سے کچھ بعد شروع ہوتا ہے۔ اس میں ملک محمد جائسی کی ''پدماوت''، تلسی داس کی ''رام چرت مانس'' اور نور محمد کی منظومات قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے رام چرت مانس کو مقدس کتاب کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ یہ سارا ادب مشرقی ہندی کی اودھی بولی میں لکھا گیا ہے۔ جدید دور میں اردو اور ہندی کے ادبی معیار اس علاقے میں اتنے چھا گئے ہیں کہ مشرقی ہندی کی بولیوں میں بلند پایہ ادب پیدا نہیں ہو رہا ہے اور لکھنے والے یا تو ہندی لکھنے لگے ہیں یا اردو میں۔

اندرونی حلقے کی زبانیں:

ان زبانوں کے بھی دو گروہ ہیں: (۱) پہاڑی زبانیں (۲) وسطی زبانیں۔ پہاڑی گروہ کی زبانوں میں نیپالی اور پہاڑی مشہور ہیں۔ ان

کے علاوہ کئی بولیاں بھی ہیں جن کا مطالعہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ ان زبانوں پر تبتی کا کافی اثر ہے۔ نیپالی میں مختصر سا ادب ہے۔ اس زبان کی ایک لغت جو پروفیسر ٹرنر نے مرتب کی ہے، ہندوستانی زبانوں کی لغات میں ایک عہد آفریں کارنامہ ہے۔ نیپالی کے علاوہ دوسری زبانوں کے بولنے والے ادبی اغراض کے لیے ہندوستانی کا استعمال کرتے ہیں۔

وسطی زبانوں میں صحرائی بولیاں، راجستھانی، گجراتی، پنجابی اور مغربی ہندی کی زبانیں شامل ہیں۔ صحرائی بولیاں راجستھانی سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ راجستھانی میں قدیم دور کا کافی ادب ہے جو گیتوں اور تاریخی قصوں پر مشتمل ہے۔ جدید دور میں راجستھانی زبانوں کے بولنے والے عموماً ہندوستانی میں لکھنے لگے ہیں۔ گجراتی زبان کا قدیم ادب چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے پراکرتوں اور اپ بھرنش دور میں بھی یہاں زیادہ تر جین مت سے متعلق ادب پیدا ہوا تھا۔ مشہور پراکرت قواعد نویس ہیم چندر گجرات ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ جدید دور کا گجراتی ادب، سارے اصناف میں ترقی کر رہا ہے۔ گجراتی کی ایک بولی کاٹھیاواڑی ہے، جس میں گیت اور تاریخی نظمیں ملتی ہیں۔

پنجابی زبان میں قدیم دور کا ادب زیادہ تر سکھوں کا مذہبی ادب ہے۔ کچھ بیانیہ نظمیں بھی ملتی ہیں۔ لیکن جدید دور میں اکثر پنجابی مصنفین نے اردو میں لکھا ہے۔ ان میں اقبال، تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، سر عبدالقادر، کرشن چندر وغیرہ اردو کے سربرآوردہ ادیبوں اور شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ مغربی ہندی میں ادبی سرمایہ وسیع اور بہت پرانا ہے۔ چند بردائی کی نظم ''پرتھوی راج راسو'' جدید ہند آریائی کا اولین کارنامہ سمجھی جاتی ہے۔ علماء نے اس کے سارے حصوں کے اصلی ہونے کے بارے میں قوی شبہات ظاہر کیے ہیں۔ مغربی ہندی کی بولیوں میں برج بھاشا اچھا خاصا ادبی ذخیرہ رکھتی ہے، جو زیادہ تر ان نظموں پر مشتمل ہے جو سری کرشن جی پر لکھی گئی ہیں۔ مغربی ہندی کی سب سے اہم زبان ہندوستانی ہے، جو ہندوستان کی عام اور مشترک زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہندوستانی کی دو شاخیں، ہندی اور اردو ہیں۔ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ رسمِ خط میں لکھی جاتی ہیں۔ ہندی دیوناگری میں اور اردو فارسی رسمِ خط میں۔ اپنے قواعدی روپ کے اعتبار سے جہاں یہ دونوں زبانیں تقریباً ایک ہیں، وہیں لفظی ذخیرے اور ادبی اصناف کے اعتبار سے ان میں خوشگوار تنوع پایا جاتا ہے۔

سرگرمی (آؤاپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ''ہند آریائی خاندان کا ارتقاء (قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی، جدید ہند آریائی)'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 5.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

۔۔۔۔۔۔کی دو زبانیں۔۔۔۔۔۔اور سنہالی ہیں۔ان دونوں زبانوں میں بہت سی مشابہتیں ہیں۔مرہٹی، مشرق میں اڑیا میں ضم ہو جاتی ہے لیکن مغرب میں گجراتی سے اس کا انضمام عمل میں نہیں آتا۔مرہٹی میں وسیع اور بلند پایہ ادب کا کافی ذخیرہ ہے اور اس کا آغاز گیا نیشور کی نظم ''گیا نیشوری'' سے ہوتا ہے جو تیرھویں صدی عیسوی کی ۔۔۔۔۔۔ہے۔اس کے علاوہ قدیم دور کے گیتوں میں نام دیو، تکارام اور ایکناتھ کے گیت ادبِ عالیہ میں شمار ہوتے ہیں۔جدید مرہٹی ادب نہایت وسیع اور ہر۔۔۔۔۔۔علم پر حاوی ہے۔

5.4۔عمومی جائزہ:۔

ہند آریائی زبانیں ہند یورپی لسانی خاندان کی ایک اہم شاخ ہیں جو ہندوستان میں رائج زبانوں کے سب سے بڑے گروہ کی نمائندگی کرتی ہیں۔آریاؤں کی مختلف اوقات میں ہندوستان آمد کے نتیجے میں متعدد بولیاں وجود میں آئیں جنہوں نے بعدازاں پراکرتوں اور جدید زبانوں کی شکل اختیار کی۔علمی اور مذہبی ضروریات کے تحت ایک معیاری زبان بھی تشکیل پائی جسے سنسکرت کے نام سے جانا جاتا ہے۔یہی زبان طویل عرصے تک علمی، ادبی اور مذہبی اظہار کا وسیلہ بنی رہی۔ہند آریائی زبانوں کا ارتقاء تین بڑے ادوار پر مشتمل ہے: قدیم ہند آریائی، درمیانی ہند آریائی اور جدید ہند آریائی۔قدیم دور میں وید، برہمن اور اپنشد جیسی اہم مذہبی اور ادبی تصانیف وجود میں آئیں۔اس زمانے کی سب سے نمایاں ادبی زبان سنسکرت تھی جسے پانینی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''اشٹا دھیائی'' کے ذریعے باقاعدہ قواعدی شکل دی۔اس دور کی مختلف بولیوں نے بعد میں پراکرتوں کی بنیاد فراہم کی۔

درمیانی ہندآریائی دورکو پراکرتوں کا زمانہ کہا جاتا ہے۔اس دور میں پالی، ماگدھی،شورسینی،مہاراشٹری اوراردھ ماگدھی جیسی زبانوں نے ترقی کی۔ بدھ مت اورجین مت کے مذہبی ادب نے ان زبانوں کوفروغ دیا۔ پالی زبان گوتم بدھ اوران کے پیروکاروں کی بدولت ایک ادبی زبان کےطور پرابھری۔اسی دور میں پراکرتوں کی مختلف شکلیں آگے بڑھ کراپ بھرنش میں تبدیل ہوئیں،جن سے جدید ہندآریائی زبانوں کی بنیاد پڑی۔جدید ہندآریائی دورتقریباًایک ہزارعیسوی کے بعدشروع ہوتا ہے۔اس دور میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے باعث فارسی اورعربی زبانوں کے اثرات نمایاں ہوئے۔مختلف اپ بھرنشوں سے جدید زبانیں وجود میں آئیں؛ مثلاً شورسینی اور مدھیہ دیشی پراکرتوں سے مغربی ہندی، ماگدھی سے بنگالی،آسامی،اڑیااور بہاری،مہاراشٹری سے مراٹھی اوروڈاچڑااپ بھرنش سے سندھی نے جنم لیا۔پنجابی،لہندا،راجستھانی، گجراتی اوردیگرزبانوں کی تشکیل میں بھی مختلف پراکرتوں اوراپ بھرنشوں کااہم کرداررہا۔

ہندآریائی زبانوں کو بیرونی، درمیانی اوراندرونی حلقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بیرونی حلقے میں سندھی،لہندا،مراٹھی،سنہالی، بنگالی، آسامی اوراڑیا جیسی زبانیں شامل ہیں۔درمیانی حلقے میں مشرقی ہندی کی بولیاں نمایاں ہیں جبکہ اندرونی حلقے میں پنجابی،راجستھانی، گجراتی، پہاڑی زبانیں اورمغربی ہندی شامل ہیں۔ان زبانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں نہ صرف ادبی روایت کوفروغ دیا بلکہ تہذیبی اورثقافتی شناخت کو بھی مستحکم کیا۔مغربی ہندی کی سب سے اہم شکل ہندوستانی ہے جس کی دومعروف شاخیں اردواور ہندی ہیں۔اگرچہ دونوں زبانوں کی قواعدی ساخت تقریباً یکساں ہے،تاہم رسمِ خط،لفظیات اورادبی روایات کے اعتبار سے ان میں تنوع پایا جاتا ہے۔اردواور ہندی نے برصغیر کی مشترکہ تہذیب،ادب اورثقافت کےفروغ میں غیرمعمولی کرداراداکیا ہے۔اس مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ہندآریائی زبانوں کی تاریخ محض لسانی ارتقا کی تاریخ نہیں بلکہ برصغیر کی تہذیبی، مذہبی،سماجی اورادبی تاریخ کا بھی اہم حصہ ہے۔مختلف ادوار میں رونما ہونے والی لسانی تبدیلیوں نے آج کی جدیدزبانوں کوجنم دیااورایک وسیع ومتنوع لسانی ورثہ تشکیل دیا جو ہندوستانی تہذیب کی اہم پہچان ہے۔

5.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تنوع	گوناگونی	ارتباط	تعلق
منقسم	تقسیم شدہ	معیاری	معیار کے مطابق

نقلِ مقام	ہجرت	نشوونما	ترقی
مدارج	مراحل	تہذیبی	ثقافتی
ارتقاء	تدریجی ترقی	متعین	مقرر
جغرافیائی	علاقائی	صوتی	آواز سے متعلق
تشکیلاتی	ساختی	آثار	نشانیاں
ترتیب	تدوین	موسوم	نامزد
تشریح	وضاحت	قطعیت	حتمیت
مسدود	بند	اغراض	مقاصد
قیاس	اندازہ	اختلاط	آمیزش
مشتق	ماخوذ	علی الرغم	باوجود
ذیلی ادوار	ضمنی ادوار	اپ بھرنش	پراکرت کی آخری شکل
توسط	واسطہ	نفوذ	اثرورسوخ
امتیاز	انفرادیت	ادبی	ادب سے متعلق

5.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔ ہندآریائی زبانوں کے ارتقا کے مختلف مراحل کی وضاحت کرتے ہوئے قدیم، درمیانی اور جدید ہندآریائی ادوار کا تفصیلی جائزہ لیجیے؟

2۔ قدیم ہندآریائی دور کی اہم خصوصیات بیان کیجیے اور سنسکرت، ویدوں، برہمنوں اور اپنشدوں کی لسانی وادبی اہمیت پر روشنی ڈالیے؟

3۔ درمیانی ہندآریائی دور میں پراکرتوں اور پالی زبان کے ارتقا کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے؟

4۔ جدید ہندآریائی زبانوں کی تشکیل میں اپ بھرنش، فارسی اور عربی اثرات کے کردار پر تفصیلی بحث کیجیے؟

5۔ ہندآریائی زبانوں کی بیرونی، درمیانی اور اندرونی حلقوں کی تقسیم کو مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے؟

5.7۔ مشقی سوالات :۔

1۔ ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء کے تین بڑے ادوار کون سے ہیں؟

2۔ پالی زبان کو ادبی زبان کا درجہ کس کی کوششوں سے حاصل ہوا؟

3۔ ہندوستانی زبان کی دو اہم شاخیں کون سی ہیں؟

5.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

1۔ ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کے تین بڑے ادوار قدیم ہند آریائی، درمیانی ہند آریائی اور جدید ہند آریائی ہیں۔

2۔ پالی زبان کو ادبی زبان کا درجہ گوتم بدھ اور ان کے پیروکاروں کی کوششوں سے حاصل ہوا۔

3۔ ہندوستانی زبان کی دو اہم شاخیں اردو اور ہندی ہیں، جو مختلف رسمِ خط میں لکھی جاتی ہیں۔

(جوابات سرگرمی: ا۔جنوبی گروہ، ۲۔مرہٹی، ۳۔تصنیف، ۴۔شعبہ۔)

5.9۔ امدادی کتب:۔

ا۔مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو	پروفیسر مسعود حسین خاں
۲۔اردو کی لسانی تشکیل	ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ
۳۔ہند آریائی اور ہندی	سنیتی کمار چٹرجی، مترجم: عتیق احمد صدیقی
۴۔ہند آریائی اور اردو	ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی قادری

سبق نمبر۶:۔جدید ہندآریائی زبانیں۔(اندرونی اور بیرونی زبانون کی تقسیم)

ساخت

6.0۔ اغراض ومقاصد

6.1۔ تعارف

6.2۔ جدید ہندآریائی زبانیں۔(اندرونی اور بیرونی زبانون کی تقسیم)

6.3۔ زبانوں کےمختلف گروہ(اندرونی وبیرونی زبانوں کی تقسیم)

سرگرمی(آؤاپنی معلومات جانچیں)

6.4۔ عمومی جائزہ

6.5۔ فرہنگ

6.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

6.7۔ مشقی سوالات

6.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

6.9۔ امدادی کتب

6.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

جدید ہندآریائی زبانوں کامفہوم اوران کی اہمیت سے آشنا ہونگے۔ہندآریائی زبانوں کے تاریخی پس منظر سے واقفیت حاصل کریں

گے۔جدید ہندآریائی زبانوں کے ارتقائی سفر کو سمجھے گے۔اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم کی وضاحت سے واقف ہونگے۔جدید ہند آریائی زبانوں کے مختلف گروہوں کی نشاندہی کریں گے۔ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کی درجہ بندی کو بیان کرسکیں گے۔ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی درجہ بندی کو سمجھ سکیں گے۔ڈاکٹر شوکت سبزواری کی درجہ بندی اوراس کے گروہوں سے واقف ہوسکیں گے۔مختلف جدید ہند آریائی زبانوں کے باہمی تعلقات کو سمجھ سکیں گے۔جدید ہند آریائی زبانوں کی لسانی،تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کا اندازہ لگاسکیں گے۔

6.1۔تعارف:۔

زبان انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت اور اظہارِ خیال کا موثر ترین ذریعہ ہے۔انسان اپنے خیالات، جذبات، احساسات اور تجربات کو زبان ہی کے ذریعے دوسروں تک منتقل کرتا ہے۔زبان نہ صرف افراد کے درمیان رابطے کا وسیلہ ہے بلکہ تہذیب، ثقافت، تاریخ اور اجتماعی شعور کی امین بھی ہے۔ ہر زبان اپنے بولنے والوں کی سماجی، ثقافتی اور فکری زندگی کی عکاسی کرتی ہے،اسی لیے زبانوں کا مطالعہ انسانی تہذیب کے مطالعے میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ہند آریائی زبانیں ہند یورپی خاندانِ السنہ کی ایک اہم شاخ ہیں جو برصغیر کے وسیع علاقے میں رائج ہیں۔ان زبانوں نے ایک طویل تاریخی اور ارتقائی سفر طے کیا ہے اور مختلف ادوار میں متعدد لسانی تبدیلیوں سے گزری ہیں۔جدید ہند آریائی زبانوں کی درجہ بندی کے سلسلے میں مختلف ماہرینِ لسانیات نے اپنی آراء پیش کی ہیں جن میں اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم، نیز ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی،ڈاکٹر محی الدین قادری زوراورڈاکٹر شوکت سبزواری کی درجہ بندیاں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ان درجہ بندیوں کے مطالعے سے جدید ہندآریائی زبانوں کے باہمی تعلق،ارتقاءاورلسانی خصوصیات کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

6.2۔جدید ہندآریائی زبانیں۔(اندرونی اور بیرونی زبانون کی تقسیم):۔

عصرِ حاضر کے تمام ماہرین یہ مانتے ہیں کہ جدید ہندآریائی زبانیں بنیادی طور پر اپ بھرنش سے نکلی ہیں۔ہندوستانی زبانوں کے مشہور محقق اور تجزیہ نگار گریرسن نے اپنے ایک مضمون میں The Imperial Gazetteer of India جلد اول میں 1909ء میں شائع ہوا، واضح طور پر لکھا ہے کہ:

’’برِاعظمِ ہندوستان کی ساری زبانیں اپ بھرنش ہی کے بچے ہیں۔‘‘

مشہور ماہرِ لسانیات پروفیسر مسعود حسن خان نے بھی اپنی کتاب ’’مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو‘‘ میں گریرسن کے نظریے کی تائید کرتے ہوئے

لکھا ہے:

ہندوستان کی جدید زبانوں کی پیدائش پراکرتوں سے نہیں بلکہ اپ بھرنشوں سے ہوئی ہے۔ ان (جدید ہندوستانی زبانوں) کا سلسلہ (خاص طور پر) درجِ ذیل اپ بھرنشوں سے ملایا جاسکتا ہے:

ا۔ کھڑی بولی یا ہندوستانی (اردو، ہندی کے بنیادی ماخذ)

ا۔ راجستھانی

۲۔ پنجابی (مشرقی)

۳۔ گجراتی اور پہاڑی بولیاں

اپ بھرنش کے بارے میں قدیم آریائی زبانوں سے متعلق باب میں تفصیل سے ذکر کیا جاچکا ہے، پھر بھی ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندوستان زمانہ قدیم سے ہی پوری دنیا، خصوصاً وسط ایشیا کے مہذب، نیم مہذب اور غیر مہذب قوموں اور قبیلوں کے لیے کشش اور توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس کے مختلف علمی، ثقافتی، جغرافیائی، معاشی اور تجارتی اسباب رہے ہیں۔ اس لیے بیسویں صدی کے آغاز سے ہزاروں سال قبل ہی ہندوستان میں غیر ملکی قوموں اور قبیلوں کے آنے کے پختہ شواہد ملتے ہیں۔ ہندوستان میں سب سے پہلے آنے والی قوم نیگریٹو (Negrito) یا نیگرائڈ (Negroid) تھی۔ اس قوم سے تعلق رکھنے والے چند ایک گروہ آج بھی انڈمان نکوبار کے بعض جزیروں میں موجود ہیں۔ نیگریٹو کے بعد ہندوستان میں آسٹرک آئے۔ پروفیسر گیان چند جین کے مطابق:

''چھوٹا ناگپور کے آدی باسی اسی (آسٹرک) نسل کے ہیں۔ اس خاندان کی زبانوں میں ''منڈا'' سب سے اہم ہے۔ گنگا اسی آسٹرک خاندان کی زبان کا لفظ ہے۔'' آسٹرکوں کے بعد دراوڑ اس ملک میں داخل ہوئے جو بڑی حد تک مہذب تھے۔ ان کی اپنی زبانیں بھی تھیں اور تہذیبی قدریں بھی۔ دراوڑ شروع میں وسطی ہند کے علاقوں میں آباد ہوئے اور کئی سو سال تک وسطی ہندوستان پر ان کا دبدبہ قائم رہا۔ 1500 قبل مسیح سے آریوں کے ہندوستان آنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ آریوں نے دراوڑوں کو وسطی ہند سے کھدیڑ دیا۔ دراوڑ جنوبی ہند کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان علاقوں کو مجموعی طور پر دکن (Deccan) کا علاقہ کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ آریہ قبائل وسط ایشیا (Central Asia) کے ممالک، خصوصاً عراق اور شام وغیرہ سے اٹھ کر ایک ہی وقت میں ہندوستان نہیں آئے، بلکہ آریوں کا پہلا قافلہ لگ بھگ 1500 قبل مسیح ہندوستان آیا اور وسطی ہند (مدھیہ دیش) کے علاقوں میں آباد ہو گیا۔ یہ آریہ غیر آریوں کو برداشت نہیں کرتے تھے، اس لیے زیادہ تر غیر آریہ،

جن میں آریوں سے قبل آنے والی قوموں کے لوگ بھی شامل تھے، ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف چلے گئے۔

بعد میں وقتاً فوقتاً آریوں کے نئے گروہ بھی ہندوستان آتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے شمال مغرب، پنجاب وکشمیر سے لے کر سندھ کے ترائی کے علاقوں تک آریاؤں کا دبدبہ قائم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی آریوں کی زبانیں بھی دیسی زبانوں کو اپنے اندر شامل کرتی ہوئی ترقی کرتی چلی گئیں۔ سنِ عیسوی کے شروع ہوتے ہوتے قدیم ہند آریائی زبانوں نے ویدک سنسکرت اور پراکرت سے لے کر پشاچی اور اپ بھرنش زبانوں تک کا سفر طے کر لیا۔ سنِ عیسوی کے ابتدائی زمانے میں ہرات اور قندھار کے درمیانی علاقے میں رہنے والی ایک قوم، جو ابھیر کہلاتی تھی، ہندوستان میں داخل ہوئی۔ یہ ایک بہادر اور جنگجو قوم تھی۔ چنانچہ ابھیروں نے آریوں کو شکست دے دی اور سندھ اور سوراشٹر کے علاقوں میں آباد ہو گئے، اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سندھ اور پنجاب سے ہوتے ہوئے پورے وسطی ہند تک پھیل گئے اور وہاں سے پہلی اور چوتھی صدی عیسوی کے درمیان دکن تک پہنچ گئے۔

ان ابھیروں کی زبان کو بھرت منی اور کالیداس وغیرہ نے اپ بھرنش کا نام دیا ہے، جس کے معنی بگڑی، مسخ شدہ اور ملی جلی زبان کے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق: ''تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی تک اپ بھرنش عوامی طور پر استعمال ہوتی تھی۔'' رودرت نے بھی اپنی تصنیف ''شبدانوشاسن'' میں، جو نویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، اپ بھرنش سے نکلنے والی جدید ہند آریائی زبانوں کی نشاندہی یہ کہہ کر کی ہے کہ ملک ملک کے حساب سے اپ بھرنش کی کئی قسمیں ہیں۔ اپ بھرنش سے جدید ہند آریائی زبانیں کس طرح وجود میں آئیں، اس کی منطقی وضاحت (Logical Description) ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تصنیف تاریخِ ادبِ اردو، جلد اول (قدیم دور) میں اس طرح کی ہے: ''اپ بھرنش کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے ضرورت کے مطابق نہ صرف پراکرت وسنسکرت کے الفاظ کو اپنایا بلکہ دل کھول کر دوسری زبانوں کے لغات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹا۔ اسی لیے اس کا حلقہ اثر وقت کے ساتھ ساتھ سارے برِاعظم میں پھیلتا اور بڑھتا چلا گیا۔ سیاسی انتشار کے ساتھ جب برِاعظمِ ہندوستان کے مختلف علاقے مختلف راجاؤں کے زیرِ نگیں آ گئے اور علیحدگی کے اس عمل پر صدیاں گزر گئیں تو اب ایک اپ بھرنش کے بجائے ہر علاقے کی (اپنی ایک مخصوص) اپ بھرنش وجود میں آ گئی۔''

دوسرے لفظوں میں الگ الگ علاقوں کی علاقائی زبانوں، بولیوں اور تہذیبوں کے اثرات کی بنیاد پر ہر علاقے میں اپ بھرنش نے الگ الگ نام سے اپنی پہچان بنائی، بالکل اسی طرح جیسے قدیم زمانے میں کھڑی بولی کو الگ الگ علاقوں میں علاقائی اثرات اور اسباب کی بنیاد پر الگ الگ نام دیے گئے تھے۔ مثلاً گجرات میں اسے گجراتی کہا گیا، دکن میں دکنی، لاہور میں لاہوری اور دہلی میں دہلوی کا نام دیا گیا، پھر صدیوں

کے بعداس سے ریختہ اورآخرمیں اردو کا نام وجودمیں آیا۔چنانچہ اسی طرح مقامی سماجی اورتہذیبی اثرات کی بناپر برسوں اورصدیوں کے حالات سے گزرکراپ بھرنش نے بھی الگ الگ علاقوں میں الگ الگ ناموں سے بحیثیتِ زبان اپنی پہچان کروائی۔اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چندجین نے لکھاہے کہ:۔ "1400ء سے 1500ء تک درجِ ذیل کی کم ازکم 17 جدید ہندآریائی زبانیں ظاہرہوچکی تھیں:

(۱) پنجابی (۲) لہندا (۳) سندھی (ی۴) راجستھانی (۵) گجراتی (٦) مراٹھی (۷) کھڑی بولی (۸) برج (۹) اودھی (۱۰) چھتیس گڑھی (۱۱) پہاڑی (۱۲) بھوجپوری (۱۳) مگہی (۱۴) میتھلی (۱۵) اڑیا (۱٦) آسامی (۱۷) بنگلہ۔''

لیکن ڈاکٹرگیان چندجین نے جدید ہندآریائی زبانوں کی جوفہرست دی ہے، اس میں ریاست جموں وکشمیر کے ماہرینِ لسانیات گوجری، ڈوگری اورکشمیری کوبھی شامل کرتے ہیں۔اسی طرح بعض دیگرریاستوں میں بھی ان زبانوں کو، جو پہلے صرف بولیاں تھیں لیکن علمی اور ادبی سرمایہ میں اضافے کے بعدزبان کا درجہ حاصل کرچکی ہیں، جدید ہندآریائی زبانوں کے زمرے میں شامل کیے جانے کے مطالبے ہوتے رہتے ہیں۔بعض ماہرینِ لسانیات نے ہریانوی، بندیلی، قنوجی اوراودھی وغیرہ کوبھی جدید ہندآریائی زبانوں کی فہرست میں شامل کیاہے۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جدیدہندآریائی زبانوں کی حتمی فہرست ترتیب دینامشکل ہے کیونکہ بعض چھوٹی جدید ہندآریائی زبانیں بھی بڑی ہندآریائی زبانوں کی طرح اہمیت حاصل کرگئی ہیں۔اس نقطہ نظرسے دیکھیں تومعلوم ہوگا کہ آج جدید ہندآریائی زبانوں کی حدبندی اوردرجہ بندی آسان نہیں رہ گئی ہے۔

ہارنلے اورگریرسن نے جدید ہندآریائی زبانوں کی جودرجہ بندی کی ہے وہ اب فرسودہ (OUT DATED) ہوچکی ہے، لیکن چونکہ درجہ بندی کی ایسی کوشش کم ہورہی ہے جومستندبھی ہواورسب کے لیے قابلِ قبول بھی، اس لیے مطالعے کی آسانی کے لیے ہارنلے کی درجہ بندی کوہی سامنے رکھاجاتاہے۔ہارنلے نے تمام جدیدہندآریائی زبانوں کے لیے ''گوڑی'' کالفظ استعمال کیاہے۔ہارنلے نے اپنی کتاب کا نام ہی Comparative Grammar of Gaudian Languages رکھاہے۔گیان چندجین نے اس پر حیرت کا اظہارکیاہے کہ ہارنلے نے تمام ہندآریائی زبانوں کوگوڑی کیوں کہاہے۔ڈاکٹرجین کے مطابق گوڑ بنگال کاپرانا نام ہے، لیکن لسانیات میں گوڑی بالعموم مگدھی کوکہا جاتاہے۔بہرحال ہارنلے نے جدیدہندآریائی زبانوں کی درجہ بندی اس طرح کی ہے:۔

۱۔مغربی گوڑی: جدید ہندآریائی مغربی ہندی، راجستھانی سمیت گجراتی، سندھی، پنجابی

۲۔مشرقی گوڑی: مشرقی ہندی، بہاری سمیت بنگلہ، آسامی، اڑیا

۳۔شمالی گوڑی: گڑھوالی، نیپالی وغیرہ پہاڑی زبانیں

۴۔جنوبی گوڑی: مراٹھی

ہارنلے نے ہند آریائی زبانوں کی یہ درجہ بندی اپنے اس مفروضے کی بنا پر کی تھی کہ ہندوستان میں آریہ دو گروہوں میں آئے۔ پہلا گروہ وسطی ہند میں آباد تھا، لیکن جب آریوں کا دوسرا گروہ آیا تو اس نے پہلے گروہ کو اس کے گڑ یعنی مرکز سے بے دخل کر دیا۔ پہلے گروہ کے لوگ ہندوستان کے مرکز، وسطی ہند (مدھیہ دیش) سے دور مغربی، جنوبی اور مشرقی علاقوں میں پھیل گئے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آریوں کے دونوں گروہوں کی زبانیں بھی الگ الگ انداز میں بنتی، بگڑتی اور ترقی کرتی رہیں۔ ہارنلے نے ان دونوں گروہوں کی زبانوں کو دو خانوں میں رکھا۔ آریوں کے پہلے گروہ کی زبانوں کو اس نے ''بیرونی زبانوں'' کا درجہ دیا، جبکہ دوسرے گروہ کی زبانوں کو"اندرونی زبانیں" کہا ہے۔

گریرسن نے اپنی کتاب Linguistic Survey of India, Volume II میں جدید ہند آریائی زبانوں کی درجہ بندی سے متعلق ہارنلے کے کئی تصورات ومفروضات کو یا تو رد کیا ہے یا پھر ان میں ترمیم واضافہ کیا ہے۔مثلاً گریرسن نے ہند آریائی زبانوں کو اندرونی اور بیرونی خانوں میں رکھنے سے متعلق ہارنلے کے دلائل کو تو مانا ہے، لیکن گریرسن نے آریوں کی ہندوستان آمد اور مختلف علاقوں میں ان کی آبادکاری کے معاملے میں ہارنلے سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ آریوں کا پہلا گروہ وسطی ہندوستان میں ہی آباد رہا کیونکہ صدیوں سے رہتے ہوئے وسطی ہندوستان میں ان کی سماجی، معاشی، تہذیبی اور لسانی جڑیں مضبوط ہو چکی تھیں، جبکہ نئے آنے والے آریائی گروہ اپنی اپنی سہولت کے مطابق ہندوستان کے مغربی، جنوبی اور مشرقی علاقوں میں بس گئے۔ ہارنلے اور گریرسن جیسے مغربی ماہرینِ لسانیات کے علاوہ ہندوستانی ماہرینِ لسانیات نے جدید ہند آریائی زبانوں کی جو درجہ بندی کی ہے، اس میں اندرونی اور بیرونی زبانوں کی بحث پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، بلکہ یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کون کون سی جدید ہند آریائی زبان رائج تھی۔

۱۔ شمال مغربی زبانیں:۔

(الف) لہندا (ب) سندھی

۲۔ مدھیہ دیشی زبانیں:۔

(الف) مغربی ہندی (ب) پنجابی (ج) راجستھانی (د) گجراتی

۳۔ مغربی زبان:۔

(الف)مراٹھی

۴۔ مشرقی زبانیں:۔

(الف)بنگالی (ب)بہاری (ج)آسامی (د)اڑیا

۵۔ شمالی زبانیں:۔

(الف)نیپالی اور دیگر پہاڑی زبانیں گڑھوالی، کماونی وغیرہ

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے ڈاکٹر سُنیتی کمار چٹر جی کی اس درجہ بندی میں ترمیم واضافہ کر کے جدید ہندآریائی زبانوں کی درجہ بندی کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

۱۔ شمال مغربی زبانیں

(الف)مغربی پنجابی اور لہندا

(ب) مشرقی پنجابی

(ج) سندھی

(د) جپسی بولیاں (یورپ اور ایشیا کی دوشاخیں)

۲۔ جنوبی مغربی زبانیں

(الف)راجستھانی گروہ کی زبانیں:

I۔مالوی II۔نماڑی III۔میواتی

IV۔گجری V۔جےپوری VI۔ہاڑوتی

(ب) پہاڑی گروہ کی زبانیں:

I۔نیپالی یا گورکھالی II۔گڑھوالی III۔کماونی

IV۔منڈیالی V۔سرموری

پہاڑی زبانوں کو جنوبی مغربی زبانوں کے درجے میں رکھنے کی وجہ ڈاکٹر زور نے یہ بتائی ہے کہ ہندآریائی زبانیں بولنے والے راجپوتانہ

سے ابتدائی سنِ عیسوی میں ہجرت کر کے پہاڑوں میں یا پہاڑی علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ انکے اور مقامی آبادی کے آپسی میل جول سے جو زبانیں وجود میں آئیں وہ راجستھانی اور پیشاچی سے ملتی جلتی ہیں۔

۳۔ وسطی ہند کی زبانیں

(الف) مغربی ہندی اور دیگر ملتی جلتی بولیاں

۴۔ مشرقی ہند کی زبانیں

(۱) مشرقی ہندی، (۲) اودھی، (۳) کوسلی، (۴) بیسواڑی، (۵) بگھیلی، (۶) چھتیس گڑھی، (۷) مگدھی، (۸) میتھلی، (۹) پوربی، (۱۰) مٹھی، (۱۱) بھوج پوری، (۱۲) اُڑیا، (۱۳) بنگالی، (۱۴) آسامی

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے پنجابی اور راجستھانی کو وسطی ہند یعنی مدھیہ دیس کی زبانوں میں شامل نہیں کیا ہے۔

۵۔ جنوبی ہند کی زبانیں

مراٹھی اور اس سے ملتی جلتی بولیاں

ڈاکٹر مسعود حسین خان نے سنیتی کمار چٹر جی اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی تقسیمِ زبان میں تھوڑی سی ترمیم کر کے ہند آریائی زبانوں کی درجہ بندی کا خاکہ اس طرح پیش کیا ہے:

۱۔ وسطی ہند یا مدھیہ دیس کی زبانیں

مغربی ہندی (اور اس سے ملتی جلتی بولیاں)

۲۔ درمیانی زبانیں

(۱) پنجابی، (۲) راجستھانی، (۳) گجراتی، (۴) مغربی ہندی سے قریبی رشتہ رکھنے والی زبانیں، (۵) مشرقی ہندی

۳۔ شمالی مغربی زبانیں

(۱) لہندا، (۲) سندھی

۴۔ مشرقی زبانیں

(۱) بہاری، (۲) اُڑیا، (۳) بنگالی، (۴) آسامی

جنوبی زبان۔

مراٹھی۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے جدید ہند آریائی زبانوں کو ان کی صوتی وصرفی خصوصیات کی بنیاد پر تین گروہوں میں رکھا ہے۔

(۱) پشاچی، دردی گروہ

اس گروہ میں کشمیری، کوہستانی اور سندھی زبانیں رکھی گئی ہیں۔

(۲) شورسینی گروہ

اس گروہ میں مغربی ہندی، راجستھانی، پنجابی، گجراتی، پہاڑی وغیرہ زبانیں رکھی گئی ہیں۔ (ڈوگری کو بھی اس گروہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔)

(۳) ماگدھی گروہ

اس گروہ میں بہاری، بنگالی، آسامی، اڑیا، مراٹھی، مشرقی (پوربی) ہندی وغیرہ زبانوں کو رکھا گیا ہے۔ لیکن جدید ہند آریائی زبانوں کی یہ درجہ بندی مستقل نہیں۔ ماہرینِ لسانیات ان زبانوں کی تاریخی، جغرافیائی اور تہذیبی حیثیت کی بنا پر جدید ہند آریائی زبانوں کی نئی درجہ بندی میں مصروف ہیں۔

6.3۔ زبانوں کے مختلف گروہ (اندرونی و بیرونی زبانوں کی تقسیم):۔

کسی بھی معاشرے میں عوام اور خواص جذبات وخیالات کے اظہار کے لئے الفاظ یا آوازوں کے جن مجموعوں کا استعمال کرتے ہیں، ان الفاظ یا آوازوں کی مجموعی صورت کو زبان (بھاشا) (Language) کہتے ہیں۔ زبان اگر بولی جائے تو آوازوں کا سلسلہ ہے اور اگر لکھی جائے تو معنی دینے والے نشانات کا نظام (System) ہے، لیکن ہر سماج میں آج ایک سے زیادہ زبانیں بولی اور لکھی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ دنیا سائنس اور تکنیکی ایجادات کی وجہ سے سمٹ کر ایک عالمی گاؤں (Global Village) بن چکی ہے، اس لئے تعلیم اور معلومات میں بھی لگاتار اضافہ ہو رہا ہے۔ تھوڑے پڑھے لکھے لوگ بھی اب یہ جانتے ہیں کہ اپنی ریاست اور اپنے ملک میں کتنی اور کون کون سی زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن دیسی اور دنیا کی بڑی اور چھوٹی زبانوں کے الگ الگ نام کیوں ہیں؟ ان کی الگ الگ خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں۔ ان سب کی معلومات حاصل کرنے کے لئے علم زبان یا لسانیات (Linguistic) میں الگ الگ موضوعات قائم کر کے زبانوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے

ایک موضوع ''زبانوں کی درجہ بندی'' بھی ہے۔

زبان کے ماہرین نے الگ الگ زبانوں کی قواعد بناوٹ الفاظ بنانے کے اصول اور الفاظ کے الگ الگ طریقوں سے استعمال کے سبب پیدا ہونے والے معنوی فرق کی بناء پر دنیا کی زبانوں کو کئی گروہوں میں رکھا ہے مثلاً

ا۔ ہندیورپی گروہ

۲ہندایرانی گروہ

۳۔ ہندآریائی گروہ۔ پراکرتیں

۴۔جدید ہندآریائی گروہ

۵۔سامی زبانوں کا گروہ

زبانوں کے گروہوں میں سب سے بڑا اور اہم گروہ ہندیورپی گروہ مانا جاتا ہے اسے ہندآریائی بھی کہتے ہیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبانیں اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہندیورپی زبانوں کے بولنے اور لکھنے والے یوروپ برطانیہ، ایران، شمالی ہندوستان پاکستان افغانستان سری لنکا، نیپال، امریکہ، بھوٹان، کناڈا، آسٹریلیا، اور نیوزی لینڈ وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یوروپ اور ایشیا کی زیادہ تر بڑی زبانیں اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔مثال کے طور پر انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ہسپانوی، پرتگالی، اور سنسکرت اُردو ہندی وغیرہ۔لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان زبانوں میں کئی زبانوں کو نئی تحقیق کی بنیاد پر زبانوں کے دوسرے گروہوں میں بھی رکھا جاتا ہے۔خود زبانوں کے ہندیوروپی گروہ کو الگ الگ نام دیئے ہیں اس گروہ کا ایک نام آریائی بھی ہے

(1) ہندایرانی گروہ

اس گروہ میں شامل زبانوں کی جڑیں ایران کی قدیم زبان اوستا اور ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت میں برپیوست ہیں۔ دراصل این سی کے آس پاس سنٹرل ایشیا خصوصاً عراق وشام کے علاقوں سے جب آریاؤں نےگروہ درگروہ مشرق کی طرف ہجرت کی تو الگ الگ علاقوں میں قیام کرتے ہوئے ہندوستان آئے۔ آریا موسم ٹھیک ہونے پر ہی اپنے لشکر اور جانوروں کے ساتھ سفر کرتے تھے، اس لیے کبھی گرمی، کبھی بارش اور کبھی سردی اور برف باری کی وجہ سے آریاؤں کو اکثر جگہوں پر کافی عرصہ تک قیام بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس قیام کے دوران مقامی تہذیبوں اور زبانوں کے ساتھ ان کا میل جول بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ ایران میں قیام کے دوران آریاؤں کی بولیوں نے ایرانی زبان اوستا کے اثرات قبول کیے اور جب

ایران سے افغانستان، بلوچستان، سندھ اور پنجاب ہوتے ہوئے ہندوستان آئے تو آریاؤں کی زبانوں پر، جو پہلے ہی کافی بدل چکی تھیں، ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت کے اثرات پڑے۔ چونکہ اوستا اور سنسکرت کافی ملتی جلتی زبانیں ہیں، اس لیے کئی ماہرینِ لسانیات نے ان دونوں کو جڑواں بہنیں بھی قرار دیا ہے۔ گریرسن نے ہند ایرانی کو تین ذیلی گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

(1) ایرانی

(2) دردی یا پیشاچی

(3) ہند آریائی

ایران کی قدیم زبان کو ''زبانِ مادی'' کہا جاتا ہے جو عراق، کردستان اور مغربی ایران کی قدیم قوموں کی زبان تھی۔ ایران کے ملک الشعرا محمد تقی بہآر نے مادی زبان کو ایران کی قدیم زبان "اوستا" سے پہلے کی زبان قرار دیا ہے۔ اوستا زبان قدیم فارسی سے زیادہ سنسکرت سے ملتی جلتی ہے۔ یہ زبان خاص طور پر مشرقی ایران میں رائج تھی۔ ایران کی دوسری قدیم زبان فارسیِ باستان ہے جس کا ایک نام "فرسِ قدیم" بھی ہے۔ یہی زبان "تختِ جمشید" کے کھنڈرات، یادگاروں اور لوحوں وغیرہ میں ملتی ہے۔ ایران کے ساتویں صدی قبل مسیح کے شہنشاہ "داریوش" کے کارنامے بھی انہی ستونوں پر قدیم ایرانی زبان میں کندہ کیے گئے ہیں۔ اس زبان کا رسم الخط میخی ہے جو بائیں سے دائیں لکھا جاتا ہے۔ ایرانی زبان کی ایک قدیم شکل "پہلوی" ہے جسے فارسیِ میانہ بھی کہا جاتا ہے۔ پہلوی زبان خراسان کے ایک قبیلے "پرتوہ" کی زبان تھی۔ اشکانیوں کے دور میں پہلوی زبان ہی ایران کی علمی و ادبی زبان تھی۔ پہلی صدی عیسوی سے سکوں، کتبوں اور علمی و ادبی مخطوطوں میں اس زبان کا استعمال کیا جاتا تھا۔ پہلوی کی دو صورتیں ملتی ہیں:

(1) پہلوی اشکانی۔

(۲) پہلوی ساسانی

پہلوی زبان کی ان دونوں صورتوں میں وہی فرق ہے جو دکن کی اُردو اور شمالی ہند کی اردو میں ہے۔ پہلوی اشکانی شمالی آذربائیجان، خراسان (نیشاپور)، مشہد، سرخس، گرگان، دہستان، ہرات، مرو وغیرہ میں بولی جاتی تھی۔

ہند ایرانی زبانوں کے ایرانی گروہ میں ایک زبان وہ بھی ہے جس کو زبانِ سعدی کہتے ہیں۔ چین اور روس کی سرحد پر واقع سمرقند میں ایک علاقے کا نام سعد ہے۔ اس علاقے کے علاوہ ایک زمانے میں زبانِ سعدی چین کی مغربی سرحد سے لے کر بحرِ اسود تک بولی اور سمجھی جاتی

تھی۔ یہ زبان آج بھی عوامی زبان کے طور پر رائج ہے۔اس زبان میں مانی کی مذہبی کتاب کے چند اوراق قدیم ترین نمونے مانے جاتے ہیں جو آرامی رسم الخط میں ہیں۔

دری: ایران کے مشرقی علاقوں میں جو زبان بولی جاتی ہے اسے "دری" کہتے ہیں۔ سامانیوں کے دور میں اس زبان کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی تھی اور اسے ایران کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ زبانِ دری اس زمانے میں ایران کے کئی علاقوں کے علاوہ خراسان، افغانستان، تاجکستان وغیرہ میں بھی بولی جاتی تھی۔لیکن جب ایران پر اسلام کا غلبہ ہوا تو دری زبان میں عربی زبان کے الفاظ تیزی سے شامل ہونے لگے، یہاں تک کہ زبانِ دری کا لسانی ڈھانچہ عربی سانچے میں ڈھل گیا اور دری زبان کی ایک ایسی شکل سامنے آئی جسے "فرس" کہا گیا۔ اسی زبانِ فرس کو فارسی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایران کے مشہور شاعروں شیخ سعدی اور حافظ شیرازی کا کلام اسی فارسی زبان میں ہے۔ یہی فارسی دنیا بھر میں آج بھی معیاری فارسی مانی جاتی ہے۔ بعد میں ترکی، انگریزی اور فرانسیسی کے بعض الفاظ فارسی میں داخل ہوئے لیکن انہیں بھی فارسی سانچے میں ڈھال لیا گیا۔ ہندوستان اور پاکستان میں جو فارسی معیاری سمجھی جاتی ہے اور جس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں، جن میں ریاست جموں و کشمیر بھی شامل ہے، شاعری اور نثر کے لیے استعمال کیا گیا، وہ یہی فارسی زبان ہے۔

زبانوں کے ایرانی گروہ میں بلوچی، پشتو (پختو) وغیرہ زبانیں بھی شامل ہیں۔آج کے زمانے میں بلوچی پاکستان کے علاقے بلوچستان کی زبان ہے۔ بلوچی زبان کا صوتی نظام (Phonology) فارسی سے ذرا مختلف ہے۔ دراوڑی زبانوں اور جدید ہند آریائی زبانوں مثلاً اُردو اور ہندی کی طرح بلوچی میں بھی تعینِ معکوسی صوتیے (آوازیں) ٹ، ڈ اور ڑ ہیں۔ بلوچی زبان میں آج بھی بہت سارے الفاظ ایسے ہیں جو اوستائی اور پہلوی زبان سے اپنی اصلی شکلوں میں لیے گئے ہیں اور اپنی اصل آوازوں میں بولے جاتے ہیں۔بعض ماہرینِ لسانیات کے مطابق بلوچی زبان اوستائی زبان اور پہلوی زبان سے زیادہ قریب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بلوچی زبان دری زبان اور فارسی زبان سے زیادہ قریب ہے۔ بلوچی میں "غ" کی آواز نہیں ہے، اس کی جگہ "گ" کی آواز نے لے لی ہے۔ مثلاً بلوچی میں غالب، غالیچہ وغیرہ الفاظ کو گالب، گالیچہ بولا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی الفاظ میں استعمال ہونے والی مخصوص عربی آوازوں ص، ض، ط، ظ، ع اور ق وغیرہ کی آوازیں بھی الف اور ک کی آوازوں سے بدل دی گئی ہیں۔ اس طرح بلوچی کا صوتی (آوازوں کا) نظام اُردو کے مقابلے میں الگ ہے۔

پشتو:

زبانوں کے ہند ایرانی گروہ کی ایک زبان پشتو بھی ہے۔ پشتو زبان افغانستان، صوبہ سرحد (پاکستان) اور افغانستان کے کئی شمالی علاقوں

اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں آج بھی بولی جاتی ہے۔لیکن الگ الگ علاقوں میں لب ولہجہ میں بھی فرق ہے اور بعض مقامی الفاظ بھی شامل ہیں۔پشتو زبان کے بنیادی صوتیے (آوازیں، حروف) ۲۹ ہیں۔عربی آوازوں میں حروف ح، ط، ظ،ص،ض، ع وغیرہ پشتو تحریروں میں تو استعمال ہوتے ہیں لیکن بولنے میں ان حروف کی آوازیں عربی کی طرح نہیں نکالی جاتیں۔اُردو میں بھی یہ حروف لکھنے میں تو استعمال ہوتے ہیں لیکن بولنے میں ان کی آوازیں عربی بولنے والوں کی طرح ادا کرنے میں عام طور پر دشواری ہوتی ہے۔لیکن پشتو زبان میں چار آوازیں ایسی بھی ہیں جو سنسکرت سے لی گئی ہیں مثلاً ٹ، ڑ، ڈ اور نڑ۔ یہ آوازیں اُردو، ہندی میں بھی ملتی ہیں، اُردو میں بہت کم اور ہندی میں زیادہ۔اس کے علاوہ پشتو میں کئی آوازیں سندھی اور سرائیکی سے بھی لی گئی ہیں جن کی ادائیگی پشتو بولنے والے ہی صحیح ڈھنگ سے کر سکتے ہیں۔

ایرانی گروہ کی زبانوں میں چند اور زبانیں اور بولیاں بھی آتی ہیں جو وادی کشمیر، گلگت، چترال، کافرستان، مغرب میں پامیر کے جنوب اور ہندوکش کے کئی علاقوں میں بولی اور لکھی جاتی ہیں، لیکن ان بولیوں اور زبانوں کو زبانوں کے کسی گروہ میں رکھا جائے، اس کے بارے میں ماہرینِ لسانیات کے درمیان اختلاف بھی ہے۔سر جارج گریرسن نے انہیں ایرانی گروہ میں رکھا ہے اور ''پشاچی'' بولیاں قرار دیا ہے۔انہیں دردی بولیاں بھی کہا گیا ہے۔دراصل دردی آریوں کے آنے سے بہت پہلے آریوں کا جو گروہ ہندوستان آیا تھا، وہ آریوں کے مقابلے میں پس کر یا تو پہاڑوں پر چلا گیا یا پھر آریوں کے نئے گروہ کے ساتھ مل جل کر سوات، کشمیر، چترال، کافرستان اور کاغان کے علاقوں میں آباد ہو گیا۔آریوں کے نئے گروہ نے آریوں کے پرانے گروہ کو اپنا حقیر دشمن قرار دیا۔وہ انہیں نیچ اور ذلیل سمجھتے تھے اور ان کے لیے ''پشاچی'' کا لفظ استعمال کرتے تھے، جس کے معنی وحشی، غیر مہذب اور گنوار کے ہوتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ کچا گوشت کھاتے تھے، کھانے پینے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔پشاچیوں کی بولی کو "بھتا بھاشا" (بھوتوں کی زبان) کہا جاتا تھا۔پراکرت کے عالموں نے اس زبان یا بولی کو "پشاچنم" یا" بھاشا پشاچی" لکھا ہے۔پشاچی کے علاوہ اس گروہ میں کئی اور بولیاں بھی اب ترقی کر رہی ہیں، جن کا کوئی مخصوص رسم الخط ابھی تک مقرر نہیں ہو سکا ہے۔ایسی بولیوں میں پانچ بولیاں اہم ہیں:

1۔کھووار۔ یہ بولی چترال اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

2۔کافر۔ یہ بولی کافرستان میں بولی جاتی ہے۔

3۔شنا۔ یہ بولی کھووار اور کافر بولیوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔دراصل گلگت کے آس پاس ''جل کوٹ سے لے کر چلاس'' تک بولی کا فرستان میں بولی جاتی ہے۔کافر اور کھووار میں ملتے جلتے الفاظ ہیں لیکن لب ولہجہ کے اعتبار سیان میں فرق کا علاقہ ''شنا'' کہلاتا ہے۔اسی لیے ان علاقوں میں بولی جانے والی زبان کو بھی ''شنا'' ہی کہا جاتا ہے۔ان سارے علاقوں میں برف باری بہت ہوتی تھی۔ برف کو دردی بولی میں

"شین" کہا جاتا ہے جس کے معنی سفید اور اُجالا کے ہیں۔اسی وجہ سے برف باری والے اس پورے علاقے کو "شنا" کا نام دیا گیا اور اس سرزمین کی زبان بھی "شنا" کہلاتی ہے۔

4۔کوہستانی۔ یہ زبان انڈس کوہستان کی زبان ہے۔ پہاڑی علاقوں کے لوگ اس زبان کو بولتے ہیں۔

5۔کشمیری۔آج کی تاریخ میں کشمیری ایک ترقی یافتہ زبان ہے۔اس پورے علاقے میں کشمیری سب سے اہم زبان ہے۔کشمیری کا ادبی سرمایہ بھی اب کافی وقیع ہو چکا ہے۔وادی کشمیر میں اب کشمیری زبان وادب کی تدریس اسکولوں میں بھی ہونے لگی ہے۔

کشمیری زبان شروع سے ہی ہند آریائی کلچر کے زیرِ اثر رہی ہے۔قدیم کشمیری زبان پر سنسکرت، پراکرت اور پالی کے اثرات رہے ہیں۔کشمیری زبان قدیم دور میں ''شاردا'' رسم الخط میں لکھی جاتی تھی،لیکن اسلام کے زیرِ اثر آنے کے بعد اس زبان میں عربی و فارسی زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہونے لگے اور ۱۰۰۰ء کے آس پاس کشمیری زبان نے ادبی حیثیت حاصل کر لی،اور اب کشمیری زبان میں نظم ونثر کی تمام اصناف میں ایک قابلِ فخر ادبی سرمایہ جمع ہو چکا ہے۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ''جدید ہند آریائی زبانیں۔اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم''کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 6.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

۔۔۔۔۔۔کے بعد دراوڑ اس ملک میں داخل ہوئے جو بڑی حد تک مہذب تھے۔ان کی اپنی زبانیں بھی تھیں اور تہذیبی قدریں بھی۔۔۔۔۔۔۔شروع میں وسطی ہند کے علاقوں میں آباد ہوئے اور کئی سوسال تک وسطی ہندوستان پر ان کا دبدبہ قائم رہا۔ 1500 قبل مسیح سے۔۔۔۔۔۔کے ہندوستان آنے کا سلسلہ شروع ہوا۔آریوں نے دراوڑوں کو وسطی ہند سے کھدیڑ دیا۔دراوڑ جنوبی ہند کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ان علاقوں کو مجموعی طور پر ۔۔۔۔۔(Deccan) کا علاقہ کہا جاتا تھا۔

6.4۔عمومی جائزہ:۔

زبان انسانی تہذیب وثقافت کا بنیادی ستون اور اظہارِ خیال کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ انسان اپنے جذبات، احساسات، خیالات اور تجربات کو زبان ہی کے ذریعے دوسروں تک منتقل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان کسی بھی قوم کی تہذیبی شناخت، فکری روایت اور ثقافتی ورثے کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ زبانیں جامد نہیں ہوتیں بلکہ وقت، ماحول، جغرافیہ، سماجی تبدیلیوں اور مختلف تہذیبوں کے باہمی روابط کے نتیجے میں مسلسل ارتقا پذیر رہتی ہیں۔ اسی ارتقائی عمل کے نتیجے میں مختلف زبانیں وجود میں آتی ہیں اور اپنی انفرادی خصوصیات کے ساتھ ترقی کرتی ہیں۔

ہند آریائی زبانیں ہند یورپی خاندان کی ایک اہم شاخ ہیں جنہوں نے برصغیر کے وسیع خطے میں فروغ پایا۔ ان زبانوں کی تاریخ نہایت قدیم ہے اور یہ مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے اپنی موجودہ شکل تک پہنچی ہیں۔ قدیم آریائی زبانوں سے پراکرت اور اپ بھرنش کی صورتیں وجود میں آئیں اور بعد ازاں انہی کی بنیاد پر جدید ہند آریائی زبانوں نے جنم لیا۔ لسانی ارتقا کے اس طویل سفر میں صوتی، صرفی اور نحوی سطح پر متعدد تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کے نتیجے میں مختلف علاقائی زبانیں اپنی الگ شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ جدید ہند آریائی زبانوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان زبانوں میں باہمی ربط اور اشتراک کے باوجود نمایاں انفرادی خصوصیات بھی موجود ہیں۔ ماہرینِ لسانیات نے ان زبانوں کی درجہ بندی مختلف بنیادوں پر کی ہے۔ بعض نے جغرافیائی عوامل کو اہمیت دی، بعض نے تاریخی ارتقا کو بنیاد بنایا اور بعض نے صوتی و صرفی خصوصیات کو معیار قرار دیا۔ اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم اسی سلسلے کی ایک اہم کوشش ہے جس کے ذریعے زبانوں کے باہمی تعلقات اور ان کے ارتقائی مراحل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بعد ازاں مختلف ماہرین، خصوصاً ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور ڈاکٹر شوکت سبزواری نے جدید ہند آریائی زبانوں کی مزید تفصیلی درجہ بندیاں پیش کیں جن سے زبانوں کی ساخت اور ان کے تاریخی رشتوں کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

جدید ہند آریائی زبانیں صرف لسانی اکائیاں نہیں بلکہ برصغیر کی مشترکہ تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی روایت کی نمائندہ ہیں۔ اردو، ہندی، پنجابی، سندھی، بنگالی، آسامی، اڑیا، گجراتی، مراٹھی اور دیگر زبانوں میں پائے جانے والے مشترک عناصر ان کے ایک ہی لسانی خاندان سے تعلق کی نشاندہی کرتے ہیں، جبکہ ہر زبان کی مخصوص خصوصیات اس کی جداگانہ شناخت کو برقرار رکھتی ہیں۔ مختلف ادوار میں ہونے والی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تبدیلیوں نے بھی ان زبانوں کی ساخت اور لفظیات پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جدید ہند آریائی

زبانوں کا مطالعہ نہ صرف لسانی تحقیق کے لیے اہم ہے بلکہ برصغیر کی تہذیبی تاریخ، ثقافتی ارتقا اور سماجی تبدیلیوں کو سمجھنے کے لیے بھی ناگزیر حیثیت رکھتا ہے۔ زبانوں کی موجودہ درجہ بندیاں اگرچہ تحقیق کے لیے مفید ہیں، تاہم لسانی ارتقا کے مسلسل عمل کے باعث ماہرینِ لسانیات آج بھی ان زبانوں کی تاریخی، جغرافیائی اور تہذیبی بنیادوں پر نئی جہات دریافت کرنے میں مصروف ہیں۔ یہی امر اس بات کا ثبوت ہے کہ جدید ہند آریائی زبانیں ایک زندہ اور متحرک لسانی روایت کی نمائندہ ہیں جو مستقبل میں بھی تحقیق و مطالعے کا ایک اہم میدان بنی رہیں گی۔

6.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
1۔اظہار	بیان، ظاہر کرنا	2۔جذبات	احساسات، کیفیات
3۔مجموعی	کل، مجموعہ پر مشتمل	4۔نظام	ترتیب، اصول وضوابط کا مجموعہ
5۔لسانیات	زبان کے سائنسی مطالعے کا علم	6۔ارتقا	تدریجی ترقی، نشوونما
7۔تہذیب	ثقافت، شائستگی	8۔جغرافیائی	علاقے یا خطے سے متعلق
9۔تاریخی	تاریخ سے متعلق	10 ۔صوتی	آوازوں سے متعلق
11۔صرفی	الفاظ کی ساخت سے متعلق	12۔خصوصیات	امتیازی صفات
13۔درجہ بندی	اقسام میں تقسیم	13۔گروہ	جماعت، طبقہ
15۔شاخ	فرع، حصہ	16۔خاندانِ السنہ	زبانوں کا مجموعہ جن کی اصل ایک ہو
17۔داخلی	اندرونی	18۔خارجی	بیرونی
19۔پشاچی	قدیم ہند آریائی زبانوں کا ایک گرو	20 ۔دردی	شمالی علاقوں کی زبانوں سے متعلق گروہ
21۔شورسینی	پراکرت کی ایک اہم شاخ	22۔ماگدھی	قدیم ہندوستان کی ایک معروف پراکرت زبان
23۔اپ بھرنش	پراکرت سے جدید زبانوں کے درمیان کا لسانی مرحلہ	24 ۔ورثہ	میراث، ترکہ
25۔روایت	چلن، قدیم طریقہ یا رسم		

6.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔زبان کی تعریف بیان کرتے ہوئے جدید ہند آریائی زبانوں کا تعارف پیش کیجیے؟

2۔جدید ہند آریائی زبانوں کی اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم پر تفصیلی نوٹ لکھیے؟

3۔ڈاکٹر سنیتی کمار چٹر جی کی جدید ہند آریائی زبانوں کی درجہ بندی پر روشنی ڈالیے؟

4۔ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی پیش کردہ جدید ہند آریائی زبانوں کی درجہ بندی بیان کیجیے؟

5۔ڈاکٹر شوکت سبزواری نے جدید ہند آریائی زبانوں کو کن گروہوں میں تقسیم کیا ہے؟ وضاحت کیجیے؟

6.7۔مشقی سوالات:۔

1۔ہند آریائی زبانیں کس لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟

2۔اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم کس ماہرِ لسانیات نے پیش کی؟

3۔ڈاکٹر شوکت سبزواری نے جدید ہند آریائی زبانوں کو کتنے گروہوں میں تقسیم کیا؟

6.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

1۔ہند آریائی زبانیں ہند یورپی (Indo-European) خاندانِ السنہ کی ایک اہم شاخ ہیں۔

2۔اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم ڈاکٹر سنیتی کمار چٹر جی نے پیش کی تھی۔

3۔ڈاکٹر شوکت سبزواری نے جدید ہند آریائی زبانوں کو تین گروہوں: پشاچی دردی، شورسینی اور ماگدھی میں تقسیم کیا ہے۔

(جوابات سرگرمی: ا،آسٹرکوں ،۲، دراوڑ ،۳،آریوں ،۴، دکن)

6.9۔امدادی کتب:۔

مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو	پروفیسر مسعود حسین خاں
اردو کی لسانی تشکیل	ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ
زبان اور علمِ زبان	پروفیسر عبدالقادر سروری
ہند آریائی اور ہندی	سُنیتی کمار چٹر جی (مترجم: عتیق احمد صدیقی)

سبق نمبر ۷:۔ مغربی ہنداوراس کی بولیاں
(کھڑی، بولی، برج بھاشا، ہریانوی، بندیلی، قنوجی)

ساخت

7.0۔ اغراض ومقاصد
7.1۔ تعارف
7.2۔ مغربی ہنداوراس کی بولیاں(کھڑی، بولی، برج بھاشا، ہریانوی، بندیلی، قنوجی)
7.3۔ مغربی ہندی
سرگرمی(آؤ اپنی معلومات جانچیں)
7.4۔ عمومی جائزہ
7.5۔ فرہنگ
7.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
7.7۔ مشقی سوالات
7.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔
7.9۔ امدادی کتب

7.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

جدید ہند آریائی زبانوں کی تقسیم اور ان کے اہم لسانی علاقوں سے واقف ہوں گے۔ مغربی ہندی اور مشرقی ہندی کے درمیان فرق کو سمجھیں گے۔ مغربی ہندی کے تاریخی پس منظر اور اس کے شورسینی اپ بھرنش سے تعلق کو جانیں گے۔ مغربی ہندی کی پانچ اہم بولیوں) کھڑی بولی، ہریانوی، برج بھاشا، بندیلی اور قنوجی (کا تعارف حاصل کریں گے۔ مغربی ہندی کی مختلف بولیوں کے جغرافیائی پھیلاؤ اور ان کی نمایاں خصوصیات سے آگاہ ہوں گے۔ کھڑی بولی کی لسانی اہمیت اور اردو زبان کے ارتقا میں اس کے کردار کو سمجھیں گے۔ مشرقی ہندی کی اہم بولیوں اور ان کی ادبی حیثیت سے واقف ہوں گے۔ سندھی، لہندا، گجراتی، راجستھانی اور دیگر جدید ہند آریائی زبانوں کا بنیادی تعارف حاصل کریں گے۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں اور بولیوں کے باہمی تعلق کو سمجھیں گے۔ اردو زبان کی بین الاقوامی اہمیت اور اس کے فروغ میں مختلف علاقوں کے کردار کا جائزہ لیں گے۔

7.1۔تعارف:۔

لسانی اعتبار سے مغربی ہندی کا تعلق براہ راست شورسینی اپ بھرنش سے ہے جو اس عہد کی بولیوں میں ممتاز ادبی حیثیت کی مالک تھی اور جس نے سب سے زیادہ سنسکرت کے اثر کو قبول کیا تھا۔ اسی شورشینی اپ بھرنش نے مغربی ہندی کو جنم دیا جو ۱۰۰۰ء کے قریب ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

7.2۔مغربی ہنداور اس کی بولیاں (کھڑی، بولی، برج بھاشا، ہریانوی، بندیلی، قنوجی):۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ اسی لیے جدید ہند آریائی سے مختلف قوموں کا ربط و تعلق بڑھتا گیا تو بہت سی زبانوں اور تہذیبوں کا امتزاج واضح نظر آنے لگا۔ ان میں الگ الگ لسانی خصوصیات ظاہر ہونے لگیں۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چٹر جی نے ان کی لسانی خصوصیات کے پیش نظر جدید ہند آریائی زبانوں کو مختلف علاقوں میں تقسیم کیا ہے جن میں سندھی، لہندا، گجراتی، مراٹھی، راجستھانی، مغربی ہندی اور مشرقی ہندی اہم ہیں۔

سندھی:

یہ صوبہ سندھ کی زبان ہے۔ اس کے بولنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ سندھی میں عربی و فارسی کے الفاظ کثرت سے شامل ہیں۔ پاکستان میں سندھی عربی رسم الخط میں اور ہندوستان میں دیوناگری میں لکھی جاتی ہے۔ سندھی میں صوفیانہ ادب کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ جدید ہند آریائی زبانوں میں یہ واحد زبان ہے جس پر عربی کا راست اثر پڑا ہے۔

لہندا:

یہ مغربی پنجابی کی زبان ہے۔ یہ اپنی قواعد اور فرہنگ دونوں اعتبار سے مشرقی پنجابی سے مختلف ہے۔ اس کا اپنا رسم الخط ہے جسے "لنڈا" کہتے ہیں لیکن عموماً یہ فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ مغرب میں یہ لہندا یا مغربی پنجابی، شمال مشرق میں پہاڑی زبانوں اور جنوب میں بیکانیر کی بولیوں سے گھری ہوئی ہے۔ مشرق میں اس کے حدود مغربی ہندی کی دو بولیوں یعنی کھڑی بولی اور ہریانوی سے ملتے ہیں۔ پنجابی ہی کی ایک شاخ ڈوگری ہے جو جموں میں رائج ہے۔ سکھ مذہب کی وجہ سے پنجابی کو بہت ترقی ہوئی۔ انہوں نے اس کے لیے گرمکھی رسم الخط اختیار کیا۔ امرتسر اور ضلع گرداس پور کی پنجابی معیاری سمجھی جاتی ہے۔ پنجابی فارسی، گرمکھی اور دیوناگری تینوں رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔

گجراتی:

یہ گجرات، کاٹھیاواڑ اور کچھ کی زبان ہے۔ جدید گجراتی قواعد کے اعتبار سے مغربی ہندی بالخصوص برج بھاشا سے کافی متاثر ہے۔ اسماء اور افعال کے اعتبار سے یہ مغربی ہندی کی اتباع کرتی ہے جو دکنی کی بھی خصوصیت ہے۔

راجستھانی:

یہ مدھیہ پردیش کی زبان ہے۔ یہ شورسینی اپ بھرنش سے نکلی ہے۔ اس میں قدیم ادب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ہندی کے ویر گاتھا کال کے کئی شلوک راجستھانی میں ملتے ہیں۔ راجستھان کی کئی بولیاں ہیں جن میں مارواڑی، جے پوری، میواتی اور مالوی قابل ذکر ہیں۔ راجستھان کی تہذیبی زبان ہندی ہے۔

مشرقی ہندی:

مشرقی ہندی میں ماگدھی، اودھی، بھگیلی اور چھتیس گڑھی بولیاں شامل ہیں۔ اودھی لکھنو، فیض آباد اور الہ آباد میں بولی جاتی ہے۔ اس کا ادب کسی زمانے میں بہت وقیع تھا۔ اس زمانے میں اس بولی کی حیثیت زبان کی تھی۔ اس میں جائسی کی "پدماوت" اور تلسی داس کی "رام چرت مانس" یعنی رامائن جیسے شاہکار ملتے ہیں۔ بھگیلی، بندیل کھنڈ کی بولی ہے۔ چھتیس گڑھی مشرقی مدھیہ پردیش میں چھتیس گڑھ کی بولی ہے۔ اس پر مراٹھی اور اڑیا کا اثر ہے۔

مشرقی ہندی بولنے والوں کی تہذیبی زبان ہندی ہے۔ ماگدھی سے تعلق رکھنے والی زبانوں میں آسامی، بنگالی اور اڑیا شامل ہیں۔ اڑیا

ہندوستان کی اہم زبانوں میں شامل کی جاتی ہے جس میں مراٹھی الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ آندھرا پردیش سے قربت کی وجہ سے تیلگو الفاظ بھی داخل ہو گئے ہیں۔اڑیا کی قواعد بنگالی سے بہت ملتی جلتی ہے۔ ماگدھی سے بہاری زبان کا بھی ارتقا ہوا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین کا خیال ہے کہ بہاری بذات خود کوئی زبان نہیں بلکہ یہ تین زبانوں یعنی میتھلی، مگہی اور بھوجپوری کا مجموعہ ہے (عام لسانیات، ص 866)۔ بہار میں تین رسم الخط رائج ہیں۔لکھائی اور چھپائی دیوناگری میں ہوتی ہے۔ عام تحریروں میں کیتھی رسم الخط اپنایا جاتا ہے۔ بنگلہ ماگدھی اپ بھرنش کی خاص جانشین ہے۔ادبی اعتبار سے ہندوستانی زبانوں میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ بنگلہ کا اڑیا پر بڑا اثر ہے۔ بنگلہ کے قدیم شاعروں میں چندی داس اور جدید شاعروں میں ٹیگور اور نذرالاسلام کے نام لیے جاسکتے ہیں۔اس زبان میں ناول نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ بنگلہ میں "ش" کا تلفظ "س" اور "الف" کو مختصر کر کے "اوَ" سے بدل دیا جاتا ہے۔اس کی ادبی زبان سنسکرت سے بہت قریب ہے۔

7.3۔مغربی ہندی:۔

مغربی ہندی شورسینی کی سچی جانشین ہے۔گریرسن نے مدھیہ پردیش کی زبان کو مغربی ہندی کا نام دیا ہے۔انھوں نے سب سے پہلے مشرقی اور مغربی ہندی میں فرق کیا ہے۔ گیارہویں اور بارہویں صدی میں مدھیہ دیش میں مغربی ہندی کی بولیاں ابھر کر سامنے نہیں آئی تھیں۔ اس وقت کی زبان کو ہم مغربی ہندی کہہ سکتے ہیں۔مغربی ہندی کا براہ راست تعلق شورسینی اپ بھرنش سے ہے۔مغربی ہندی کے حدود تقریباً وہی ہیں جو مدھیہ دیش کے ہیں۔ یہ مغرب میں سرہند سے لے کر مشرق میں الہ آباد تک، شمال میں ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں وندھیاچل اور بندیل کھنڈ تک بولی جاتی ہے۔اس کے شمال مغرب میں پنجابی زبان ہے اور جنوب مشرق میں مراٹھی اور مشرقی ہندی۔شمال میں یہ پہاڑی بولیوں (جونسری، گڑھوالی اور کمانی) سے گھری ہوئی ہے۔اندرونی زبان کی شاخ میں صرف مغربی ہندی ایک ایسی زبان ہے جسے ہم خالص اندرونی زبان کہہ سکتے ہیں۔مغربی ہندی کی درج ذیل پانچ بولیاں ابھری ہیں اور یہی پانچ بولیاں گریرسن نے بھی گنوائی ہیں۔

1۔ کھڑی بولی یا ہندوستانی

2۔ ہریانوی

3۔ برج بھاشا

4۔ بندیلی

5۔ قنوجی

1۔کھڑی بولی یا ہندوستانی:

مغربی ہندی کی وہ بولی جو مغربی روہیل کھنڈ، دوآبہ کے شمالی حصہ اور پنجاب کے ضلع انبالہ میں بولی جاتی ہے اسے گریرسن ہندوستانی کہہ کر پکارتے ہیں۔

2۔ ہریانوی:

اسے بانگڑو یا جاٹو بھی کہتے ہیں۔ دہلی کے شمال مغربی اضلاع کرنال، روہتک، حصار وغیرہ کی بولی ان تینوں ناموں سے پکاری جاتی ہے لیکن اس کا ہریانوی نام زیادہ موزوں ہے۔

3۔ برج بھاشا:

مغربی ہندی کی سب سے زیادہ نمائندہ بولی اور اس کی سب سے عزیز بیٹی برج بھاشا ہے۔ یہ کھڑی بولی کے مقابلے میں شورسینی اپ بھرنش اور پراکرت کی سچی جانشین ہے۔اس کا مرکز برج (متھرا) کا علاقہ ہے۔

4۔بندیلی:

بندیلی بندیل کھنڈ میں بولی جاتی ہے اور اس کے بولنے والے بندیلے کہلاتے ہیں۔ جغرافیائی اعتبار سے بندیل کھنڈ میں باندا، ہمیر پور، جالون اور جھانسی کے اضلاع اور سنٹرل انڈیا کی اکثر سابق ریاستیں شامل ہیں۔

5۔قنوجی:

مغربی ہندی کی اس بولی کا نام شہر قنوج کے نام پر رکھا گیا ہے جو ضلع فرخ آباد میں ہے۔قنوج کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔آج کل قنوجی اپنی خالص شکل میں فرخ آباد اور شاہجہاں پور کے اضلاع میں بولی جاتی ہے۔

مغربی ہندی کی پانچ بولیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔(اُو) کو ترجیح دینے والی بولیاں: برج بھاشا، بندیلی، قنوجی

2۔(اَ) کی شکل رکھنے والی بولیاں: ہریانوی، کھڑی بولی

یہ تمام بولیاں نواحِ دہلی کی بولیاں ہیں اوران میں سے کھڑی بولی سے اردو کا جنم ہوا ہے جو شورسینی اپ بھرنش کی سچی جانشین ہے۔آج اردو زبان نے بین الاقوامی (International) شہرت حاصل کر لی ہے۔ ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ تمام سارک ممالک، خلیج ممالک کے ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف ملکوں اور شہروں میں اردو کی بستیاں پھیلتی جا رہی ہیں جو اردو زبان وادب کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ

رے جہاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ''مغربی ہند اوراس کی بولیاں (کھڑی، بولی، برج بھاشا، ہریانوی، بندیلی، قنوجی)'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 7.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

۔۔۔۔۔ایک وسیع ملک ہے۔اسی لیے جدید ہند آریائی سے مختلف قوموں کا ربط وتعلق بڑھتا گیا تو بہت سی زبانوں اور تہذیبوں کا امتزاج واضح نظر آنے لگا۔ان میں الگ الگ لسانی خصوصیات ظاہر ہونے لگیں۔ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے ان کی۔۔۔۔خصوصیات کے پیش نظر جدید ہند آریائی زبانوں کو مختلف علاقوں میں تقسیم کیا ہے جن میں سندھی، لہندا، گجراتی، مراٹھی، راجستھانی، مغربی ہندی اور مشرقی ہندی۔۔۔۔ہیں۔

7.4۔عمومی جائزہ:۔

مغربی ہندی کا تعلق براہ راست شورسینی اپ بھرنش سے ہے جو اس عہد کی بولیوں میں ممتاز ادبی حیثیت کی مالک تھی اور جس نے سب سے زیادہ سنسکرت کے اثر کو قبول کیا تھا۔اسی شورسینی اپ بھرنش نے مغربی ہندی کو جنم دیا جو ۱۰۰۰ء کے قریب ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے ان کی لسانی خصوصیات کے پیش نظر جدید ہند آریائی زبانوں کو مختلف علاقوں میں تقسیم کیا ہے۔جن میں

سندھی،لہندا، گجراتی،مراٹھی،راجستھانی،مغربی ہندی اورمشرقی ہندی اہم ہیں۔

سندھی:

یہ صوبہ سندھ کی زبان ہے۔اس کے بولنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔سندھی میں عربی و فارسی کے الفاظ کثرت سے شامل ہیں۔ پاکستان میں سندھی عربی رسم الخط میں اور ہندوستان میں دیوناگری میں لکھی جاتی ہے۔سندھی میں صوفیانہ ادب کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔جدید ہندآریائی زبانوں میں یہ واحد زبان ہے جس پر عربی کا راست اثر پڑا ہے۔

لہندا:

یہ مغربی پنجابی کی زبان ہے۔ یہ اپنی قواعد اور فرہنگ دونوں اعتبار سے مشرقی پنجابی سے مختلف ہے۔اس کا اپنا رسم الخط ہے جسے لنڈ کہتے ہیں لیکن عمومی طور پر شاہ مکھی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔مغرب میں یہ لہندا یا مغربی پنجابی شمال مشرق میں پہاڑی زبانوں اور جنوب میں بیکانیر کی بولیوں سے گھری ہوئی ہے۔مشرق میں اس کے حدود مغربی ہندی کی دو بولیوں یعنی کھڑی بولی اور ہریانی سے ملتے ہیں۔پنجابی ہی کی ایک شاخ ڈوگری ہے جو جموں میں رائج ہے۔سکھ مذہب کی وجہ سے پنجابی کو بہت ترقی ہوئی۔انہوں نے اس کے لیے گرمکھی رسم الخط اختیار کیا۔امرتسری ضلع گورداسپوری پنجابی سمجھی جاتی ہے۔پنجابی فارسی، گرمکھی، دیوناگری تینوں رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔

گجراتی:

یہ گجرات، کاٹھیاواڑ اور کچھ کی زبان ہے۔جدید گجراتی قواعد کے اعتبار سے مغربی ہندی بالخصوص برج بھاشا سے کافی متاثر ہے۔اسماء اور افعال کے اعتبار سے یہ مغربی ہندی کی اتباع کرتی ہے جو دکنی کی بھی خصوصیت ہے۔

راجستھانی:

یہ مدھیہ پردیش کی زبان ہے۔یہ شورسینی اپ بھرنش سے نکلی ہے۔اس میں قدیم ادب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ہندی کے ویرگاتھا کال کے کئی شلوک راجستھانی میں ملتے ہیں۔راجستھان کی کئی بولیاں ہیں جن میں مارواڑی، جے پوری، میواتی اور مالوی قابل ذکر ہیں۔راجستھان کی تہذیبی زبان ہندی ہے۔

مشرقی ہندی:

مشرقی ہندی میں ماگدھی، اودھی، بگھیلی اور چھتیس گڑھی بولیاں شامل ہیں۔ اودھی لکھنو، فیض آباد اور الہ آباد میں بولی جاتی ہے۔ اس کا ادب کسی زمانے میں بہت وقیع تھا۔ اس زمانے میں اس بولی کی حیثیت زبان کی تھی۔ اس میں جائسی کی پدماوت اور تلسی داس کی رام چرت مانس یعنی رامائن جیسے شاہکار ملتے ہیں۔ بگھیلی بندیل کھنڈ کی بولی ہے۔ چھتیس گڑھی مشرقی مدھیہ پردیش میں چھتیس گڑھ کی بولی ہے۔ اس پر مراٹھی اور اڑیہ کا اثر ہے۔ مشرقی ہندی بولنے والوں کی تہذیبی زبان ہندی ہے۔ ماگدھی سے تعلق رکھنے والی زبانوں میں آسامی، بنگالی، اڑیا شامل ہیں۔ اڑیا ہندوستان کی اہم زبانوں میں شامل کی جاتی ہے جس میں مراٹھی الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ آندھرا پردیش سے قربت کی وجہ سے تیلگو الفاظ بھی داخل ہو گئے ہیں۔ اڑیا کی قواعد بنگالی سے بہت ملتی جلتی ہے۔ ماگدھی سے بہاری زبان کا بھی ارتقا ہوا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین کا خیال ہے کہ بہاری بذات خود کوئی زبان نہیں بلکہ یہ تین زبانوں یعنی میتھلی، مگہی اور بھوجپوری کا مجموعہ ہے (عام لسانیات ص:۸۶۶)۔ بہار میں تین رسم الخط رائج ہیں۔ لکھائی، چھپائی دیوناگری میں ہوتی ہے۔ عام تحریروں میں کیتھی رسم الخط اپنایا جاتا ہے۔

بنگلہ:

بنگلہ ماگدھی اپ بھرنش کی خاص جانشین ہے۔ ادبی اعتبار سے ہندوستانی زبانوں میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ بنگلہ کا اڑیا پر بڑا اثر ہے۔ بنگلہ کے قدیم شاعروں میں چندی داس اور جدید شاعروں میں ٹیگور اور نذر الاسلام کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ اس زبان میں ناول نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ بنگلہ میں ''س'' کا تلفظ ''ش'' اور ''الف'' کو مختصر کر کے ''او'' سے بدل دیا جاتا ہے۔ اس کی ادبی زبان سنسکرت سے بہت قریب ہے۔

مغربی ہندی:

مغربی ہندی شورسینی کی سچی جانشین ہے۔ گریرسن نے مدھیہ پردیش کی زبان کو مغربی ہندی کا نام دیا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے مشرقی اور مغربی ہندی میں فرق کیا ہے۔ گیارہویں اور بارہویں صدی میں مدھیہ دیش میں مغربی ہندی کی بولیاں ابھر کر سامنے نہیں آئی تھیں۔ اس وقت کی زبان کو ہم مغربی ہندی کہہ سکتے ہیں۔ مغربی ہندی کا براہ راست تعلق شورسینی اپ بھرنش سے ہے۔ مغربی ہندی کے حدود تقریباً وہی ہیں جو مدھیہ دیش کے ہیں۔ یہ مغرب میں سرہند سے لے کر مشرق میں الہ آباد تک، شمال میں ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں وندھیا چل

اور بندیل کھنڈ تک بولی جاتی ہے۔اس کے شمال مغرب میں پنجابی زبان ہے۔

جنوب مشرق میں مراٹھی اور مشرقی ہندی۔ شمال میں یہ پہاڑی بولیوں (جونسری، گڑھوالی اور کمانی) سے گھری ہوئی ہے۔ اندرونی زبان کی شاخ میں صرف مغربی ہندی ایک ایسی زبان ہے جسے ہم خالص اندرونی زبان کہہ سکتے ہیں۔ مغربی ہندی کی درج ذیل پانچ بولیاں اُبھری ہیں اور یہی پانچ بولیاں گریرسن نے بھی گنوائی ہیں۔

۱۔ کھڑی بولی یا ہندوستانی

۲۔ ہریانوی

۳۔ برج بھاشا

۴۔ بندیلی

۵۔ قنوجی

۱۔ کھڑی بولی یا ہندوستانی: مغربی ہندی کی وہ بولی جو مغربی روہیل کھنڈ، دوآبہ کے شمالی حصہ اور پنجاب کے ضلع انبالہ میں بولی جاتی ہے اسے گریرسن ہندوستانی کہہ کر پکارتے ہیں۔

۲۔ ہریانوی: اسے بانگڑو یا جاٹو بھی کہتے ہیں۔ دہلی کے شمال مغربی اضلاع کرنال، رہتک، حصار وغیرہ کی بولی ان تینوں ناموں سے پکاری جاتی ہے لیکن اس کا ہریانوی نام زیادہ موزوں ہے۔

۳۔ برج بھاشا: مغربی ہندی کی سب سے زیادہ نمائندہ بولی یا استعارۃً اس کی سب سے عزیز بیٹی برج بھاشا ہے۔ یہ کھڑی بولی کے مقابلے میں شورسینی اپ بھرنش اور پراکرت کی سچی جانشین ہے۔اس کا مرکز برج (متھرا) کا علاقہ ہے۔

۴۔ بندیلی: بندیلی بندیل کھنڈ میں بولی جاتی ہے اور اس کے بولنے والے بندیلے کہلاتے ہیں۔ جغرافیائی اعتبار سے بندیل کھنڈ میں باندا، میر پور، جھانسی اور جالون کے اضلاع اور سنٹرل انڈیا کی اکثر سابق ریاستیں شامل ہیں۔

۵۔ قنوجی: مغربی ہندی کی اس بولی کا نام شہر قنوج کے نام پر رکھا گیا ہے جو ضلع فرخ آباد میں ہے۔قنوج کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ آج کل قنوجی اپنی خالص شکل میں ایٹا، فرخ آباد، شاہ جہاں پور کے اضلاع میں بولی جاتی ہے۔

مغربی ہندی کی پانچ بولیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔

۱۔ (اُو) کو ترجیح دینے والی بولیاں: برج بھاشا، بندیلی، قنوجی

۲۔ (اَ) کی شکل رکھنے والی بولیاں: ہریانوی، کھڑی بولی

یہ تمام بولیاں نواحِ دہلی کی بولیاں ہیں اور ان میں سے کھڑی بولی سے اُردو کا جنم ہوا ہے جو شورسینی اپ بھرنش کی سچی جانشین ہے۔ آج اردو زبان نے بین الاقوامی(International) شہرت حاصل کرلی ہے۔ ہندوپاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ تمام سارک ممالک، خلیج ممالک کے ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف ملکوں اور شہروں میں اردو کی نئی نئی بستیاں پھیلتی جارہی ہیں جو اردو زبان وادب کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

7.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
امتزاج	ملاوٹ	مزاحمت	رکاوٹ
ذخیرہ	جمع پونجی	جنم	پیدائش
خاندان السنہ	زبانوں کا خاندان	باہمی	آپسی
منبع	ماخذ	گروہ	جماعت
فرہنگ	لغت	تاخیر	دیری
جانشین	وارث	پرآشوب	انتشار
جمود	ٹھراؤ	تلفظ	ادائیگی
زمرے	گروپ	استوار	مظبوط
مسخ	بگاڑنا	نشوونما	ترقی
نقل مکانی	ہجرت	انحراف	دوری
ارتقا	ترقی	تغیر	تبدیلی
ضمنی	ذیلی	لسان	زبان

خارجی	باہری	داخلی	اندرونی
مسلط	قبضہ کرنا	ثقافت	تہذیب
تمدن	طرزِ معاشرت	استعفادہ	فائدہ اٹھانا
اختصار	مختصر	رفقا	ساتھی
موروثی	خاندانی	داغ بیل	بنیاد
خمیر	مزاج	مدلل	دلیل سے ثابت کرنا

7.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔ جدید ہند آریائی کے علاقوں کی نشاندہی کیجیے اور اس کی اہم زبانوں کا تعارف پیش کیجیے؟

2۔ مشرقی ہندی سے کیا مراد ہے؟ اس کی اہم بولیوں اور خصوصیات پر روشنی ڈالیے؟

3۔ مغربی ہندی کی بولیوں پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے؟

4۔ مغربی ہندی اور اس کی بولیوں پر مفصل وضاحت کیجیے؟

7.7۔مشقی سوالات:۔

1۔مغربی ہندی کی پانچ بولیوں کے نام لکھیے؟

2۔اردو زبان کا جنم مغربی ہندی کی کس بولی سے ہوا؟

7.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

جواب:1 مغربی ہندی کی پانچ اہم بولیاں یہ ہیں: کھڑی بولی، ہریانوی، برج بھاشا، بندیلی اورقنوجی۔

جواب:2 اردو زبان کا جنم مغربی ہندی کی کھڑی بولی سے ہوا ہے۔کھڑی بولی شورسینی اپ بھرنش کی سچی جانشین سمجھی جاتی ہے اور یہی بولی آگے چل کر اردو اور جدید ہندی کی بنیاد بنی۔

(جوابات سرگرمی:ا۔ ہندوستان،۲۔لسانی،۳۔اہم۔)

7.9۔امدادی کتب:۔

مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو	پروفیسر مسعود حسین خان
اردو کی لسانی تشکیل	ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ
زبان اور علمِ زبان	پروفیسر عبدالقادر سروری
ہند آریائی اور ہندی	سنیتی کمار چٹرجی، مترجم: عتیق احمد صدیقی

سبق نمبر ۸:۔ اُردو زبان ۔تاریخی اور سماجی پس منظر

ساخت

8.0۔ اغراض ومقاصد

8.1۔ تعارف

8.2۔ اُردو زبان ۔تاریخی اور سماجی پس منظر

8.3۔ اُردو زبان کا ارتقاء

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

8.4۔ عمومی جائزہ

8.5۔ فرہنگ

8.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

8.7۔ مشقی سوالات

8.8۔ مشقی سوالات کے جوابات / جوابات سرگرمی:۔

8.9۔ امدادی کتب

8.0۔ اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ زبان کے ارتقا اور اس کی اہمیت کو جان جائیں گے۔ اردو زبان کی ابتدا اور اس کے تاریخی پس منظر سے

واقف ہو جائیں گے۔قدیم ہند آریائی زبان اوراس کی ارتقائی منزلوں کے بارے میں معلومات حاصل کرلیں گے۔اُدیچیہ، پراچیہ اور مدھیہ دیشی زبانوں کی خصوصیات اور باہمی فرق جان جائیں گے۔آپ اردو زبان کے مختلف ارتقائی ادوار اور ان کی نمایاں خصوصیات سے آگاہ ہو جائیں گے۔اردو کے قدیم اور موجودہ الفاظ وصیغوں کے درمیان تعلق کو سمجھ جائیں گے۔کھڑی بولی کے ابھار اور اردو زبان کی تشکیل میں اس کے کردار کو جان لیں گے۔بابا فرید، امیر خسرو اور دیگر ادیبوں کی تحریروں میں اردو کے ابتدائی نقوش پہچان جائیں گے۔آپ دکنی اردو کی اہمیت اور اردو زبان کی ترقی میں اس کے کردار سے واقف ہو جائیں گے۔

8.1۔تعارف:۔

زبان خلاء میں پیدا نہیں ہوتی، زبان کی کوکھ سے زبان جنم لیتی ہے۔زبان کا جنم لینا کیا ہے؟ حالات کے مطابق بدل کر اس کا نیا روپ اختیار کرنا۔زبان برابر بدلتی اور حالات کے مطابق نت نئے روپ میں ڈھلتی رہتی ہے۔جب تک زبان کا بولنے والوں سے تعلق ہے، شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ اس میں برابر جاری رہتا ہے اور رہے گا۔زبان کا بولنے والوں سے تعلق منقطع ہوا نہیں کہ جمود آیا۔ردّ و بدل زبان کی زندگی ہے اور یہی اس کا ارتقاء بھی۔اس لیے زبان کا ارتقاء اس کی زندگی کہلاتا ہے۔اردو ایک زندہ زبان ہے۔زندہ زبانوں کی طرح نامعلوم زمانے سے کروٹیں بدلتے، ارتقاء کی منزلیں طے کرتے، زمانے کے ناپائید کنارِ بحرِ زخّار کی لہروں میں بہتے ہوئے ہم تک پہنچی۔مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے 1500 سال پہلے کی ارتقاء کی منزلیں اس نے برصغیر میں گزاری ہیں۔اس کی نشاندہی اہلِ علم کی نیکی ہے، لیکن یہ نشاندہی قیاسات پر مبنی ہے، اس لیے اس پر ظن وتخمین کے قہر کا دھندلکا چھایا ہوا ہے۔

8.2۔اُردو زبان۔تاریخی اور سماجی پس منظر:۔

1500 سال قبل مسیح آریہ قبائل ایک زبان بولتے ہوئے برصغیر ہند و پاک میں داخل ہوئے۔اس وقت اس زبان کا کوئی نام تھا یا نہیں، اگر تھا تو کیا، یہ بتانا مشکل ہے، لیکن اس علم و روشنی کے زمانے میں زبان کے کھوجی فرق و امتیاز کے لیے اس زبان کو قدیم ہند آریائی (Old Indo-Aryan) کہتے ہیں۔قدیم اس لیے کہ برصغیر ہند و پاک میں زبان کی یہ قدیم ترین شکل ہے اور ہند آریائی اس لیے کہ یہ برصغیر کی آریائی اصل ونسل کی زبان ہے۔اس زبان کے قدیم ترین نمونے رگ وید میں ملتے ہیں۔ 1000 سے 600 قبل مسیح کے درمیان اس قدیم زبان میں معمول کے مطابق تغیرات رونما ہوئے اور اس نے حسبِ ذیل تین روپ اختیار کیے:

1:(اُدیچیہ۔شمال مغربی زبان

2: (پراچیہ) شرقی زبان

3:مدھیہ دیشی (وسطی علاقے،مشرق ومغرب کے درمیان کی زبان)

ان میں اُدیچیہ یعنی شمال مغربی زبان کسی قدر قدامت پسند ہونے کی وجہ سے شستہ اور فصیح سمجھی گئی۔یہ قدیم ہند آریائی سے مقابلتہً زیادہ قریب تھی۔اودھ، بہار اور مشرقی یوپی کی زبان پراچیہ غیر فصیح یعنی ان گھڑ تھی، کیونکہ وہ اصل سے دور جا پڑی تھی۔اس میں:

1۔قدیم ہند آریائی "ر" کو "ل" سے بدل کر اریہ (دشمن) کو الیو کہا جاتا تھا۔

2۔مخلوط حروف صحیح میں ادغام عام تھا۔

3۔"ر" یا "ڑ" کے بعد آنے والے اسنانی حروف ت، د، ملفوظی (ٹ،ڈ) بنا لیے گئے تھے

مدھیہ پردیش کی زبان بین بین تھی اس میں تبدیلیاں ہوئی لیکن مشرقی زبان کی نسبت سے کم اور غیر اہم مثلاً قدیم ہند آریائی کرت، (یہ کیا ہوا) اَرتھ (یہ مطلب)، اَردھ (یہ آدھا)۔شمال مغربی علاقے میں علی حالہ باقی رہے۔وسطی علاقے کی زبان میں "ر" حذف ہوئی اور کرت کو کت، ارتھ کو اتھ، اَردھ کو اڈھ کہا گیا۔مشرق میں "ر" گری اور "ت"، "د" کو بالترتیب "ٹ"، "ڈ" سے بدلا گیا تو ان کا تلفظ کٹ، اٹھ، اڈھ ہوا۔اردو مدھیہ پردیش کی اس قدیم زبان کی آخری کڑی ہے۔مدھیہ پردیش کی اس زبان کو اردو کا قدیم ترین روپ دھارنے سے پہلے تین ارتقائی دوروں سے گزرنا پڑا جن میں ہر دور کم و بیش ۵۰۰ سال کا ہے۔

پہلا دور: ۵۰۰ ق۔م۔سے شروع ہو کر ولادتِ مسیح پر ختم ہوا۔یہ پالی یا اولین پراکرت کا دور ہے۔

دوسرا دور: ۵۰۰ مسیح پر اختتام کو پہنچا۔اسے پراکرت دور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تیسرا دور: ۵۰۰ سے ۱۰۰۰ مسیحی تک کا دور اپ بھرنش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مدھیہ پردیش کی ان ارتقائی کڑیوں کو شجرہ نسب کی شکل میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قدیم ہند آریائی

۳۔ اُدیچیہ

۲۔ مدھیہ پردیشی

۳۔ اولین پراکرت (پالی)

۴۔ پراکرت

۵۔ اپ بھرنش

۱۰۲۷ء میں محمود غزنوی نے جب پنجاب فتح کیا اور لاہور کو فوجی چھاؤنی بنایا تو اس وقت برصغیر میں اپ بھرنش کا سکہ چل رہا تھا۔ ابوریحان البیرونی ۱۰۴۸ء۔۹۳۷ء کا بیان ہے کہ ہند کی زبان کی دو قسمیں ہیں۔ایک بول چال کی زبان ہے جس میں عوام بات چیت کرتے ہیں۔ یہ کسمپرسی کی حالت میں ہے۔دوسری علمی زبان ہے۔اس کے صرفی ونحوی قاعدے ہیں، اشتقاق کے اصول ہیں۔اس علمی زبان کا ذکر امیر خسرو (۱۳۲۵ء۔۱۲۵۳ء) نے بھی کیا ہے۔

زبانِ هند هم تازی مثال است

که آمیزش درانجا کم مجال است

گر آئینِ عرب نخواست و گر صرف

از اں آئیں دریں کم نیست یک حرف

شوکت سبزواری کا خیال ہے کہ بول چال کی زبان اپ بھرنش ہے، جس کے لفظی معنی ہیں پست، افتادہ، گری پڑی۔ یہ علمی زبان سنسکرت کے مقابلے میں پست سمجھی جاتی تھی۔ہیم چندر (۱۱۷۲ء۔۱۰۸۸ء) نے اپ بھرنش کے کچھ دوہے مثلاً اپنی پراکرت گرامر میں نقل کیے ہیں۔اگرچہ ان دوہوں کی زبان اردو کی اصل بول چال کی اپ بھرنش نہیں، اس دور کی ادبی زبان ہے، لیکن موجودہ اردو سے اس کی مماثلتیں یہ بتاتی ہیں کہ بارہویں صدی عیسوی میں اردو کے خدوخال ابھرنے شروع ہو گئے تھے اور زبان کا ڈول پڑ رہا تھا۔ذیل کے دوہے کو موجودہ اردو میں منتقل کرنے سے میرے اس خیال کی وضاحت ہوگی۔

''بھلاّ (بھلا) ہوآ (ہوا) جُ (جو) مارآ (مارا گیا) بَہن (بہن) مہارا (میرا) کنتُ (کانت، شوہر) لجّم (لجاو شرم کو) تُ (تو) واسی اُہ (سہلیوں) جئ (جائی)، بھگاّ (بھاگا)، گھرو (گھر میں) اینتُ (آتا)

ایک اور دوہا ملاحظہ ہو:

جئ (جو)،نَ (نہیں)،سَ (وہ)،آوَئی (آوے)،دوی (دوتی، پیامی) گھرو (گھر میں)،کا (کیوں)،آہوُ (متا)،موہو (مہنہ)، تجھو (تیرا) وان (بچن) ج کھنڈئی (توڑتا ہے)،تمو (تو)،سہسے (سکھی) سَ (وہ) پیو (پی) ہوئی (ہووے)،نہ مجھو (میرا) ان میں بھلا، ہوآ، مارآ، بہن، بھگاّ، گھرو، جئ، آوئی، موہو، مجھو، مجھو غیرہ کلمے اور صیغے خاص طور سے قابلِ غور ہیں۔ یہ اردو کے موجودہ کلموں اور صیغوں کی قدیم شکلیں ہیں۔اردو کے چار ارتقائی دور ہیں۔ پہلا قدیم دور ۶۰۰ ق۔م پر ختم ہوا۔دوسرا ۵۰۰ عیسوی پر، اور تیسرا ۱۰۰۰ عیسوی پر، چوتھے دور کا آغاز ۱۲۰۰ء کے لگ بھگ ہوا اور ۱۸۰۰ء پر اختتام کو پہنچا۔ درمیان کے دوسو سال (۱۰۰۰ء تا ۱۲۰۰ء اُردو کے لیے عبوری یا تعمیری زمانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں اردو بقول ڈاکٹر چٹرجی سیال حالت میں تھی، خط وخال ابھر چکے تھے لیکن اس میں صلابت، استواری اور پختگی نہیں آئی تھی۔

ان چار ارتقائی دوروں کی وضاحت کے لیے اُردو کے بنیادی سرمائے میں سے دو چار لفظوں کے عہد بہ عہد تغیرات جو دراصل ان کے ارتقائی مدارج ہیں انہیں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اردو کے ظرفی لاحقہ "میں" کو لیجئے۔ قدیم ابتدائی دور میں یہ ''مدھیے'' (مدھی+ے) جس کے معنی ہیں وسط میں یا درمیان میں۔ دوسرے دور میں "مجھے" یہ تبدیل ''دھی'' بہ ''جھ'') ہوا۔ تیسرے دور میں اس نے "مہ" کی شکل اختیار کی، جس کا ایک روپ "مَ ء" ہے۔ یہ دونوں روپ عبوری دور میں رائج تھے۔ "میں" اس کی آخری نکھری ہوئی شکل ہے۔''کیا'' ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب ہے کرنا سے۔ قدیم دور میں یہ کرتہ (کیا ہوا) تھا جو "کر" (کرنا)، سے حالیہ تمام ہے۔ دوسرے دور میں "کت" (ر گرنے کے بعد) ہوا۔ تیسرے دور میں "ک" (بحذف ت) عرصے تک اس کی شکل رائج رہی۔ 1200ء کے لگ بھگ اردو نکھر کر سامنے آئی تو اردو کے عام مزاج کے مطابق اس نے کیا کی شکل اختیار کی۔ "ہوا" کی سرگزشت بھی وہی ہے جو ''کیا'' کی ہے۔ یہ اصل میں بھوت (بھو = ہونا) تھا۔ ہوَت ،ہُو، اس کی درمیانی کڑیاں ہیں۔ "کیا" میں "ک" کے کسرے کی وجہ سے فتحہ نے "ی" کی شکل اختیار کی، "ہوا" میں "ہ" کے ضمے کی وجہ سے فتحہ نے "و" کا روپ دھارا۔

ضروری نہیں کہ زبان کے سارے سرمائے کو چار دوروں سے گزرنا پڑے۔ بعض کلمے صرف تین دوروں سے گزرے، مثلاً "بھلا" اور "بہن" کی حسبِ ذیل تین منزلیں ہیں: بھدر، بھلاّ، بھَلا، بھگن، بہَن، بہن۔ عبوری دور کی اُردو کو گریرسن وغیرہ علمائے قدیم مغربی ہندی کہتے ہیں۔ شوکت سبزواری مانتے ہیں کہ مغربی ہندی کسی خاص جانی پہچانی زبان کا نام نہیں۔ یہ کسی علاقے کی بولی جانے والی زبان نہ تھی۔ اردو، برج، ہریانی، قنوجی، بندیلی کا مشترک لسانی سرمایہ مغربی ہندی ہے۔ یہ ایک طرح کی فرضی زبان ہے۔ چند بردائی کی مشہور نظم "پرتھی راج راسو" کی زبان کو قدیم مغربی ہندی بتایا جاتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ راسو کی زبان مصنوعی، خودساختہ، ہم آہنگ ادبی زبان ہے جس میں پنجابی، راجستھانی،

برج، مغربی اپ بھرنش گڈ مڈ ہو کر آنکھ مچولی کھیلتی نظر آتی ہیں۔ برج کے عناصر اس میں دوسری ہم سر زبانوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ قدیم اُردو عناصر بھی دستیاب ہوئے ہیں لیکن ندرت کے ساتھ، جیسے ذیل کے مصرعے میں اُردو کا ظرفی لاحقہ "میں:"

ایک ماس میں نگر بسایو

(ایک ماہ میں شہر بسایا)

واحد متکلم کی ضمیر "میں" اردو ہے۔ "ہوں"، برج اور پنجابی۔ راسو میں "ہوں" بھی ہے اور "میں" بھی، جیسے:

میں سنیا سا ہی بن انشی کیں

(میں نے سنا شاہ نے اندھا کر دیا)

تج بھوگ جوگ میں تپ لیں

(کھانا پینا چھوڑ میں نے تپسیا اختیار کی)

مجھ، تجھ، ہم، تم وغیرہ اُردو ضمیریں بھی راسو میں ہیں، جیسے:

''ہم تم کبھونہ ورودھ، ہم تم کام اہ شیت آج، اہ دھرتی مجھ پت پریت، شروں سناؤں تجھ''

اہلِ علم ان مثالوں کی قدامت سے شاید انکار کریں اور انہیں الحاقی بتائیں لیکن جان بمیز فرماتے ہیں کہ ان کا اسلوب چند بردائی کا ہے۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ مصرعے چند بردائی کے ہیں۔ بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں اردو دہلی اور اس کے نواحی علاقے یعنی میرٹھ میں بولی جا رہی تھی۔ محمد غوری کے انتقال کے بعد 1206ء میں قطب الدین ایبک دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ سبزواری کا خیال ہے کہ اس سے پہلے اردو نکھر کر برج، قنوجی، بندیلی وغیرہ بولیوں سے امتیاز حاصل کر کے پختہ اور آزاد بول چال کی زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ اس امتیاز کے بعد اردو کو اہلِ علم نے کھڑی بولی کے نام سے یاد کیا، اس کی ہم سر بولیاں "پڑی" کہلائیں۔ شیام سندر داس چودھویں اور پندرہویں صدی کے درمیانی زمانے کو کھڑی بولی کے ابھار کا زمانہ بتاتے ہیں، فرماتے ہیں " 1350ء اور 1450ء کے درمیان قدیم ہندی بولیوں نے دھیرے دھیرے برج، اودھی اور کھڑی بولی کا روپ دھارا۔" (ہندی بھاشا کا وکاس، ص 54)

سبزواری اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں اردو کا ابھار بارہویں صدی میں ہوا۔ اس صدی کی اردو یعنی کھڑی بولی کے نمونے مسلسل اور مرتب صورت میں دستیاب نہیں ہوتے، شاید اسی لیے اہلِ علم کو شبہ ہے کہ بارہویں صدی میں اردو اپنی موجودہ شکل میں، موجودہ

خط وخال کے ساتھ موجود تھی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ زبان کی کسی ارتقائی منزل کی تعیین وتشخیص کے لیے اس دور کے مسلسل اور مرتب نمونوں کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس کے بعد کے تحریری نمونوں کی بنا پر اس سے پہلے کی ارتقائی منزل کے بارے میں ''قیاس کن زگلستانِ من بہارِا مرا'' قیاس کیا جا سکتا ہے اور باغ کی بہار کو دیکھ کر بتایا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے کی بہار کا کیا عالم ہوگا۔ زبان پر مہینے یا سال نہیں، جگ بیت جاتے ہیں، تب کہیں اس کے نامختتم سفر کی کوئی منزل سامنے آتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کلیتہً درست نہیں کہ بارہویں اور تیرہویں صدی کی کھڑی بولی کے نمونے دستیاب نہیں ہوتے۔ تیرہویں صدی سے پندرہویں صدی تک کی شمالی ہند یعنی دہلی اور میرٹھ کی اردو کے نمونے ملتے ہیں لیکن خال خال اور ندرت کے ساتھ۔

بابا فرید گنج شکر (۱۲۶۶ء،۱۷۳۰ء) کا ذیل کا ریختہ مولانا محمود شیرانی نے کسی قدیم بیاض سے نقل کیا ہے۔

وقتِ سحر، وقتِ مناجات ہے

خیز درآں وقت کہ برکات ہے

نفس مبادا کہ بگوید ترا

خسب چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

بادمِ خود ہمدمِ ہشیار باش

صحبتِ اغیار بری بات ہے

باتنِ تنہا چہ روی زیرِ زمین

نیک عمل کن کہ وہی سات ہے

پندِ شکر گنج بدل جاں شنو

ضایع مکن عمر کہ ہیہات ہے

حضرت فرید گنج شکر، کے چند کٹے پھٹے مقولے کتبِ تواریخ میں نقل ہوئے ہیں۔ ان سے بھی اس زمانے کی کھڑی بولی (اردو) کے خط و خال اجاگر ہوتے ہیں۔ مثلاً سید محمد بن مبارک کرمانی نے "سیر الاولیاء" میں بابا فرید کا ایک مقولہ نقل کیا ہے:۔

''مادرِ مومنان، پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے

اس میں " کا"،''چاند''،''بالا''ہوتا ہے،" ٹھیٹ اردو ہے۔

حضرت بابا فرید کے دوشبدوں (نظموں) کا ذکر، جو سکھوں کے آدی آوی گرنتھ میں ہیں، ڈاکٹر چٹر جی نے کیا ہے، گو وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ان شبدوں کی زبان کس حد تک بے میل اور مستند ہے، لیکن اس میں انہیں شبہ نہیں کہ ان کی زبان قدیم ہندی (اردو) ہے۔ چودھویں صدی میں امیر خسرو (1325ء1253ء) اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (1422ء1341ء) کے تحریری نمونے سامنے آتے ہیں۔ امیر خسؔرو کے حسبِ ذیل دو شعر عام تذکرہ نویسوں نے نقل کیے ہیں۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا	کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست	پھر کچھو نہ کھڑا نہ کچھو سنوارا

ذیل کا ریختہ خسؔرو کی طرف منسوب ہے:

زحالِ مسکیں مکن تغافل، درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں، نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف، و روزِ وصلش چو عمر کو تہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں، تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکا یک از دل دو چشمِ جادو، بصد فریبم بردتسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کوں ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں، ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں، نہ آپ آویں نہ بھیجیں بتیاں
بحق روزِ وصالِ دلبر، کہ داد مارا فریب خسرو
سپید من کو درائے راکھوں، جو جان پاؤں پیا کی گھتیاں

یہ ریختہ کھڑی بولی میں ہے گو آٹے میں نمک کی طرح اس میں برج کی آمیزش بھی ہوگئی ہے۔ خسؔرو نے پہیلیاں بھی کہیں تھیں جن میں سے بعض صاف اردو میں ہیں، جیسے:

آوے تو اندھیری لاوے جاوے تو سب کچھ لے جاوے
کیا جانوں وہ کیسا ہے جیسا دیکھا ویسا ہے
ایک تھال موتی سے بھرا سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھال پھرے موتی اس سے ایک نہ گرے

صاف زبان دیکھ کر اس کے مستند ہونے میں شبہ کیا جا سکتا ہے لیکن مشہور ہندی عالم ہری اودھ انہیں مستند سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں ": خسرو کا نواس دِلی میں تھا۔ میرا وچار ہے کہ اس کے اتھوا میرٹھ کے آس پاس جو بولی اس وقت بولی جاتی تھی، اس پر درش رکھ کر انہوں نے اپنی رچنائیں کیں، اس لیے وہ ادھک تر بول چال کی بھاشا کے انوکھے نمونے ہیں اور اسی سے ان میں وشیش صفائی آ گئی ہے۔" فیروز شاہ تغلق (متوفی 1388ء) کے حملہ سندھ سے متعلق ایک فقرہ" تاریخِ فیروز شاہی" میں نقل ہوا ہے: ''بر کت شیخ تھیا، اک موا، اک نہا''

8.3۔اُردو زبان کا ارتقاء:۔

زبان کے ارتقاء کے سلسلے میں عام الفاظِ مانعہ کے تاریخی تغیرات کی چنداں اہمیت نہیں، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قدیم فارسی لغات اور فرہنگوں میں فارسی الفاظ کے ہندی، (اردو) مترادفات کا اندراج (ان کی فہرست مولانا شیرانی مرحوم کی کتاب" پنجاب میں اردو" میں دیکھی جائے) اور فارسی کتبِ تاریخ میں اردو الفاظ کا حسبِ موقع استعمال یہ بتاتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر چٹر جی نے لکھا ہے کہ اردو اس قدیم زمانے میں آزاد بول چال کی زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ مشہور مراکشی سیاح ابنِ بطوطہ (1378ء۔1304ء) کے سفر نامے اور مغل شہنشاہ بابر (1530ء۔1483ء) کی خود نوشت سوانح میں بھی ہندی (اردو) الفاظ خاصی بڑی تعداد میں استعمال ہوئے ہیں۔ بابر کے مجموعہ کلام میں اس کا یہ شعر درج ہے جس کا پہلا مصرع پورا اور دوسرے مصرعے کا تین چوتھائی اردو میں ہے۔

مجکا نہ ہوا کچھ ہوسِ مانک و موتی
فقر اہلیغہ بس بولغو سید ور روٹی

چودھویں صدی کے شروع میں اردو محمد تغلق کے ہم رکاب (جو دہلی سے ہجرت کر کے دکن جا بسا تھا) دکن گئی اور وہاں کی اردو سے الگ تھلگ اسے ترقی کرنے کے مواقع ملے۔ ڈاکٹر بیلی کا خیال ہے کہ چودھویں صدی کے نصف تک دہلوی اور دکنی اردو میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا،

دونوں مقامات پر وہی ایک زبان بولی جاتی تھی۔ بہمنی حکومت کے قیام 1347ء کے بعد گجراتی، مرہٹی، تلگو وغیرہ زبانوں کے زیرِ اثر اردو میں تبدیلیاں شروع ہوئیں اور صدی کے ختم ہونے سے پہلے اس میں اور دہلوی اردو میں اختلافات کی ایک خاصی وسیع وعریض خلیج حائل ہوگئی۔ دہلوی اردو کے دستاویزی نمونوں کی کمیابی کی تلافی دکنی اردو سے ہوجاتی ہے، دکنی اردو کے (منظوم ومنثور) نمونے 1350ء سے 1700ء تک مسلسل اور مرتب انداز میں ملتے ہیں۔ یہ قدیم اردو کے خط وخال کی تعیین اور زبان کے ارتقائی دوروں کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔

دکنی اردو کی قدیم ترین تصنیف "معراج العاشقین" ہے جسے موجودہ تحقیق کے مطابق خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ نے چودھویں صدی کے آخر میں تصنیف کیا۔ خواجہ صاحب پندرہ سال کی عمر میں دکن سے دہلی چلے آئے تھے اور تقریباً 22 سال دہلی میں قیام کے بعد 1398ء میں دکن واپس ہوئے۔ اگر ''معراج العاشقین'' درحقیقت خواجہ صاحب کی تصنیف ہے تو اس کی زبان دہلی کی قدیم زبان ہونی چاہیے۔ ''معراج العاشقین'' کے لسانی مطالعے کے بعد یہ حیرت خیز حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کی زبان مرہٹی، گجراتی، تلگو وغیرہ زبانوں کے اثرات سے بڑی حد تک پاک ہے۔ معراج العاشقین میں " گا" بڑھا کر فعلِ مستقبل بنایا گیا ہے۔ تجھ، مجھ کی جگہ میرا، تیرا، معیاری ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ رکھا، دیکھا دو ماضی کے صیغے "ی" کے بغیر ملے ہیں۔ ایک مقام پر کان کی جمع " کانوں " دیکھی گئی ہے۔ پیر کی باتاں، معشوق کی باتاں جیسی ترکیبیں بھی نظر پڑی ہیں جن میں " کی " علامتِ اضافت، مضاف کی جمعیت کے باوجود مفرد ہے۔ " ہائیوں " کا استعمال بھی کثرت سے ہوا ہے۔

اس کے مقابلے میں شاہ میراں جی شمس العشاق (متوفی 1496ء) اور ان کے صاحبزادے برہان الدین جانم متوفی 1582ء کی تحریروں میں مرہٹی، گجراتی، پنجابی، برج کے اثرات ملتے ہیں، اور وجہی کی تحریروں میں راجستھانی کے۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب " معراج العاشقین " تصنیف ہوئی، تو دکنی، دہلوی اردو سے مختلف نہ تھی، اور اپنی اصل سے بچھڑے اسے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا، یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ بیلی اور شری رام نے لکھا ہے کہ اس کے مصنف خواجہ بندہ نواز نے اپنی عمر کے 65 سال دہلی میں گزارے تھے، اس لیے انہوں نے دہلی کی زبان میں لکھا، جو اس زمانے میں دہلی کے کوچہ وبازار میں بولی جاتی تھی۔ بہر حال یہ امر شبہ سے بالاتر ہے کہ قدیم دکنی، اردو کا قدیم روپ ہے۔ قدیم اردو کے جلوے دکن کی تصانیف میں دیکھے جاسکتے ہیں جن کا سلسلہ تیرہویں صدی سے شروع ہوا اور جن کے قدیم مخطوطے آئے دن تاریکی سے روشنی میں آرہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زندہ زبان کی حیثیت سے اردو نے ہر دور میں دوسری زبانوں سے اخذ واستفادہ کیا ہے۔ آج اردو کے غیر کلامی ذخیرے میں زبان کے اجزائے ترکیبی اینٹ اور گارے کا بنیادی ڈھانچہ اسی قدیم زبان پر قائم ہے جو اس کی اصل واساس ہے۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آئیے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''اردو زبان۔ تاریخ اور سماجی پس منظر'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 8.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

۔۔۔۔۔۔اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں اردو کا ابھار بارہویں صدی میں ہوا۔ اس صدی کی اردو یعنی ۔۔۔۔۔۔کے نمونے مسلسل اور مرتب صورت میں دستیاب نہیں ہوتے، شاید اسی لیے اہلِ علم کو شبہ ہے کہ بارہویں صدی میں اردو اپنی موجودہ شکل میں، موجودہ خط وخال کے ساتھ موجود تھی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ زبان کی کسی ۔۔۔۔۔۔۔کی تعیین و تشخیص کے لیے اس دور کے مسلسل اور مرتب نمونوں کی چنداں ضرورت نہیں۔

8.4۔عمومی جائزہ:۔

زبان کی کوکھ سے زبان جنم لیتی ہے۔ زبان کا جنم لینا کیا ہے؟ حالات کے مطابق بدل کر اس کا نیا روپ اختیار کرنا۔ زبان برابر بدلتی اور حالات کے مطابق نت نئے روپ میں ڈھلتی رہتی ہے۔ جب تک زبان کا بولنے والوں سے تعلق ہے، شکست وریخت اور ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ اس میں برابر جاری رہتا ہے اور رہے گا۔ زبان کا بولنے والوں سے تعلق منقطع ہوا نہیں کہ جمود آیا۔ ردوبدل زبان کی زندگی ہے اور یہی اس کا ارتقاء بھی، اس لیے زبان کا ارتقاء اس کی زندگی کہلاتا ہے۔ اردو ایک زندہ زبان ہے۔ زندہ زبانوں کی طرح نامعلوم زمانے سے کروٹیں بدلتے، ارتقاء کی منزلیں طے کرتے، زمانے کے ناپید کنار بحرِ زخار کی لہروں میں بہتے ہوئے ہم تک پہنچی۔ مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پندرہ سو سال (1500) پہلے کی ارتقاء کی منزلیں اس نے برصغیر میں گزاریں۔ اس کی نشان دہی اہلِ علم نے کی ہے لیکن یہ نشان دہی قیاسات پر مبنی ہے۔ اس لیے اس پر ظن وتخمین کے قہر کا دھندلکا چھایا ہوا ہے۔

پندرہ سو سال قبل مسیح آریہ قبائل ایک زبان بولتے ہوئے برصغیر ہندوپاک میں داخل ہوئے۔ اس وقت اس زبان کا کوئی نام تھا یا نہیں،

اگر تھا تو کیا؟ یہ بتانا مشکل ہے، لیکن اس علم و روشنی کے زمانے میں زبان کے کھوجی فرق و امتیاز کے لیے اس زبان کو قدیم ہند آریائی (OldIndo-Aryan) کہتے ہیں۔قدیم اس لیے کہ برصغیر ہند و پاک میں زبان کی یہ قدیم ترین شکل ہے اور ہند آریائی اس لیے کہ یہ برصغیر کی آریائی اصل ونسل کی زبان ہے۔اس زبان کے قدیم ترین نمونے رگ وید میں ملتے ہیں۔1000 تا600ق۔م کے درمیان اس قدیم زبان میں معمول کے مطابق تغیرات رونما ہوئے اور اس نے حسبِ ذیل تین روپ اختیار کیے:

1۔ اُدیچیہ — شمال مغربی زبان

2۔ پراچیہ — شرقی زبان

3۔ مدھیہ دیشی — وسطی علاقے (مشرق ومغرب کے درمیان کی زبان)

ان میں اُدیچیہ یعنی شمال مغربی زبان کسی قدر قدامت پسند ہونے کی وجہ سے شستہ اور فصیح سمجھی گئی۔ یہ قدیم ہند آریائی سے مقابلتہً زیادہ قریب تھی۔اودھ، بہار اور مشرقی یوپی کی زبان پراچیہ غیر فصیح یعنی ان گھڑ تھی کیونکہ وہ اصل سے دور جا پڑی تھی۔اس میں:

1۔قدیم ہند آریائی میں "ر" کو "ل" سے بدل کر آریہ (دشمن) کو اَلیو کہا جاتا تھا۔

2۔مخلوط حروفِ صحیح میں ادغام عام تھا۔

3۔"ر" کے بعد آنے والے اسنانی حروف "ت، د" ملفوظی (ٹ، ڈ) بنا لیے گئے تھے۔

مدھیہ پردیش کی زبان بین بین تھی۔اس میں تبدیلیاں ہوئیں لیکن مشرقی زبان کی نسبت سے کم اور غیر اہم۔مثلاً قدیم ہند آریائی کرت (یہ کیا ہوا)، ارتھ (یہ مطلب)، اردھ (یہ آدھا)۔شمال مغربی علاقے میں علیٰ حالہ باقی رہے۔وسطی علاقے کی زبان میں "ر" حذف ہوئی اور کرت کو کت، ارتھ کو اتھ، اُردھ کو ادھ کہا گیا۔مشرق میں "ر" گری اور "ت، د" کو بالترتیب "ٹ، ڈ" سے بدلا گیا تو ان کا تلفظ کٹ، اٹھ، اڈھ ہوا۔اردو مدھیہ پردیش کی اس قدیم زبان کی آخری کڑی ہے۔مدھیہ پردیش کی اس زبان کو اردو کا قدیم ترین روپ دھارنے سے پہلے تین ارتقائی دوروں سے گزرنا پڑا جن میں ہر دور کم وبیش 500 سال کا ہے۔

پہلا دور: 500ق م سے شروع ہو کر ولادتِ مسیح پر ختم ہوا۔ یہ پالی یا اولین پراکرت کا دور ہے۔

دوسرا دور: 500 عیسوی پر اختتام کو پہنچا۔اسے پراکرت دور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تیسرا دور: 500 سے 1000 عیسوی تک کا دور اپ بھرنش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مدھیہ پردیش کی ان ارتقائی کڑیوں کو شجرہ نسب کی شکل میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

1۔قدیم ہند آریائی

2۔مدھیہ پردیشی

3۔اولین پراکرت (پالی)

4۔پراکرت

5۔اپ بھرنش

1027ء میں محمود غزنوی نے جب پنجاب فتح کیا اور لاہور کو فوجی چھاؤنی بنایا تو اس وقت برصغیر میں اپ بھرنش کا سکہ چل رہا تھا۔ ابوریحان البیرونی (973ء۔1048ء) کا بیان ہے کہ ہند کی زبان کی دو قسمیں ہیں۔ایک بول چال کی زبان ہے جس میں عوام بات چیت کرتے ہیں۔یہ کسمپرسی کی حالت میں ہے۔دوسری علمی زبان ہے۔اس کے صرفی ونحوی قاعدے ہیں، اشتقاق کے اصول ہیں۔اس علمی زبان کا ذکرامیر خسرو (1253ء1325ء) نے بھی کیا ہے۔اردو کے چار ارتقائی دور ہیں۔پہلا قدیم دور 600ق م پر ختم ہوا۔دوسرا 500 عیسوی پر، اور تیسرا 1000 عیسوی پر۔چوتھے دور کا آغاز 1200ء کے لگ بھگ ہوا اور 1800ء پر اختتام کو پہنچا۔درمیان کے دوسو سال 1000ء تا 1200ء اردو کے لیے عبوری یا تعمیری زمانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس زمانے میں اردو بقول ڈاکٹر چٹرجی سیال حالت میں تھی، خط وخال ابھر چکے تھے لیکن اس میں صلابت، استواری اور پختگی نہیں آئی تھی۔

ان چار ارتقائی دوروں کی وضاحت کے لیے اُردو کے بنیادی سرمائے میں سے دو چار لفظوں کے عہد بہ عہد تغیرات جو دراصل ان کے ارتقائی مدارج ہیں انہیں پیش کیا جا سکتا ہے۔اردو کے ظرفی لاحقہ "میں" کو لیجئے۔قدیم ابتدائی دور میں یہ ''مدھیے'' (مدھی+ے) جس کے معنی ہیں وسط میں یا درمیان میں۔دوسرے دور میں "مجھے" یہ تبدیل ''دھی'' بہ ''جھ'') ہوا۔تیسرے دور میں اس نے "مہ" کی شکل اختیار کی، جس کا ایک روپ "م ء" ہے۔یہ دونوں روپ عبوری دور میں رائج تھے۔"میں" اس کی آخری نکھری ہوئی شکل ہے۔''کیا'' ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب ہے کرنا سے۔قدیم دور میں یہ کرتہ (کیا ہوا) تھا جو "کر" (کرنا)، سے حالیہ تمام ہے۔دوسرے دور میں "کت" ('ر' گرنے کے بعد) ہوا۔تیسرے دور میں "ک" (بحذف ت) عرصے تک اس کی شکل رائج رہی۔1200ء کے لگ بھگ اردو نکھر کر سامنے آئی تو اردو کے عام مزاج کے مطابق اس نے کیا کی شکل اختیار کی۔"ہوا" کی سرگزشت بھی وہی ہے جو ''کیا'' کی ہے۔یہ اصل میں بھوت (بھو=ہونا) تھا۔ہوَت

،ہُو،اس کی درمیانی کڑیاں ہیں۔" کیا" میں " ک" کے کسرے کی وجہ سے فتحہ نے "ی" کی شکل اختیار کی، "ہوا" میں "ہ" کے ضمے کی وجہ سے فتحہ نے "و" کا روپ دھارا۔

بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں اردو دہلی اور اس کے نواحی علاقے یعنی میرٹھ میں بولی جا رہی تھی۔ محمد غوری کے انتقال کے بعد 1206ء میں قطب الدین ایبک دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ سبزواری کا خیال ہے کہ اس سے پہلے اردو نکھر کر برج، قنوجی، بندیلی وغیرہ بولیوں سے امتیاز حاصل کر کے پختہ اور آزاد بول چال کی زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ اس امتیاز کے بعد اردو کو اہلِ علم نے کھڑی بولی کے نام سے یاد کیا، اس کی ہم سر بولیاں "پڑی" کہلائیں۔ شیام سندر داس چودھویں اور پندرہویں صدی کے درمیانی زمانے کو کھڑی بولی کے ابھار کا زمانہ بتاتے ہیں، فرماتے ہیں 1350: ءاور 1450ء کے درمیان قدیم ہندی بولیوں نے دھیرے دھیرے برج، اودھی اور کھڑی بولی کا روپ دھارا۔'' (ہندی بھاشا کا وکاس، ص54)

سبزواری اس سے اتفاق نہیں کرتے ان کے خیال میں اردو کا ابھار بارہویں صدی میں ہوا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کلیتہً درست نہیں کے بارہویں اور تیرہویں صدی کی کھڑی بولی کے نمونے دستیاب نہیں ہوتے۔ تیرہویں صدی سے پندرویں صدی تک کی شمالی ہند یعنی دہلی اور میرٹھ کی اردو کے نمونے ملتے ہیں، لیکن خال خال اور ندرت کے ساتھ، بابا فرید گنج شکر (۱۲۶۶ء۔۱۱۷۳ء) کا ذیل کا ریختہ مولانا محمود شیرانی نے کسی قدیم بیاض سے نقل کیا ہے۔

وقتِ سحر، وقتِ مناجات ہے
خیز در آں وقت کہ برکات ہے

چودہویں صدی میں امیر خسرو (۱۳۲۵ء۔۱۲۵۳ء) اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۱۴۶۶ء۔۱۳۴۱ء) کے تحریری نمونے سامنے آتے ہیں۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

فیروز شاہ تغلق (متوفی 1388ء کے حملہ سندھ سے متعلق ایک فقرہ "تاریخِ فیروز شاہی" میں نقل ہوا ہے:

''برکت شیخ تھیا اک مواک نہا''

زبان کے ارتقا کے سلسلے میں عام الفاظِ مانعہ کے تاریخی تغیرات کی چنداں اہمیت نہیں، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قدیم فارسی لغات اور فرہنگوں میں فارسی الفاظ کے ہندی (اردو) مترادفات کا اندراج (ان کی فہرست مولانا شیرانی مرحوم کی کتاب "پنجاب میں اردو" میں دیکھی جائے) اور فارسی کتبِ تاریخ میں اردو الفاظ کا حسبِ موقع استعمال یہ بتاتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر چٹر جی نے لکھا ہے، کہ اردو اس قدیم زمانے میں آزاد بول چال کی زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ مشہور مراکشی سیاح ابنِ بطوطہ 1304ء 1378ء کے سفرنامے اور مغل شہنشاہ بابر 1483ء ۔1530ء کی خودنوشت سوانح میں بھی ہندی (اردو) الفاظ خاصی بڑی تعداد میں استعمال ہوئے ہیں۔ چودھویں صدی کے شروع میں اردو محمد تغلق کے ہم رکاب (جو دہلی سے ہجرت کر کے دکن جا بسا تھا) دکن گئی اور وہاں کی اردو سے الگ تھلگ اسے ترقی کرنے کے مواقع ملے۔ ڈاکٹر بیلی کا خیال ہے کہ چودھویں صدی کے نصف تک دہلوی اور دکنی اردو میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، دونوں مقامات پر وہی ایک زبان بولی جاتی تھی۔ بہمنی حکومت کے قیام 1347ء کے بعد گجراتی، مرہٹی، تلگو وغیرہ زبانوں کے زیرِ اثر اردو میں تبدیلیاں شروع ہوئیں اور صدی کے ختم ہونے سے پہلے اس میں اور دہلوی اردو میں اختلافات کی ایک خاصی وسیع و عریض خلیج حائل ہوگئی۔ دہلوی اردو کے دستاویزی نمونوں کی کمیابی کی تلافی دکنی اردو سے ہو جاتی ہے۔ دکنی اردو کے (منظوم و منثور) نمونے 1350ء سے 1700ء تک مسلسل اور مرتب انداز میں ملتے ہیں۔ بہر حال یہ امر شبہ سے بالاتر ہے کہ قدیم دکنی، اردو کا قدیم روپ ہے، قدیم اردو کے جلوے دکن کی تصانیف میں دیکھے جاسکتے ہیں جن کا سلسلہ تیرہویں صدی سے شروع ہوا اور جن کے قدیم مخطوطے آئے دن تاریکی سے روشنی میں آتے رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندہ زبان کی حیثیت سے اردو نے ہر دور میں دوسری زبانوں سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ آج اردو کے ذخیرہ الفاظ میں کئی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں، لیکن اردو کا بنیادی ڈھانچہ اسی قدیم زبان پر قائم ہے جو اس کی اصل واساس ہے۔

8.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خلا	خالی جگہ	شکست وریخت	نقصان
ظن وتخمین	شک وشبہ	شجرۂ نسب	نسب نامہ
کسمپرسی	بے بسی	اشتقاق	بناوٹ

قیاس	اندازہ	مخطوطے	قلمی تحریریں
صوت	آواز	بالقصد	قصداً، ارادتاً
آسائش	آرام	کارکن	کام کرنے والا
جمود	ٹھراؤ	جنم	پیدائش
منبع	ماخذ	نقل مکانی	ہجرت
قول	کہا ہوا	تشکیلی دور	بننے کا زمانہ
گروہ	جماعت	تغیر	تبدیلی
مسلط	قبضہ کرنا	اختصار	مختصر کرنا
داغ بیل	خاندانی	رفقا	ساتھی
مسخ	بگاڑنا		

8.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔مدھیہ پردیش کی قدیم ترین زبانوں کی وضاحت کیجیے؟

۲۔اردو زبان کے آغاز وارتقاء کا تاریخی وسماجی پس منظر بیان کیجئے؟

8.7۔مشقی سوالات :۔

1۔زبان کا ارتقا کسے کہتے ہیں؟

2۔قدیم ہند آریائی زبان نے کون کون سے تین روپ اختیار کیے؟

3۔دکنی اردو کی قدیم ترین تصنیف کون سی ہے اور اس کے مصنف کون ہیں؟

8.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

1۔ زبان کا حالات کے مطابق بدلتے رہنا اور نئے روپ اختیار کرنا زبان کا ارتقا کہلاتا ہے۔یہی زبان کی زندگی کی علامت ہے۔

2۔ قدیم ہند آریائی زبان نے اُدیچیہ) شمال مغربی(،پراچیہ) شرقی (اور مدھیہ دیشی) وسطی(تین روپ اختیار کیے۔

3۔ دکنی اردو کی قدیم ترین تصنیف "معراج العاشقین" ہے۔اس کے مصنف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ ہیں۔

(جوابات سرگرمی: ا۔سبزواری،۲۔کھڑی بولی،۳۔ارتقائی منزل۔)

8.9۔امدادی کتب:۔

اردو کی لسانی تشکیل	از ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ
ہند آریائی اور ہندی	از سنیتی کمار چڑجی مترجم عتیق احمد صدیقی
ہند آریائی اور اردو	از ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی قاری
اردو زبان کی تاریخ	از ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ

سبق نمبر ۹:۔ اُردو زبان کے آغاز وارتقاء کا تہذیبی وثقافتی پس منظر

ساخت

9.0۔ اغراض ومقاصد

9.1۔ تعارف

9.2۔ اُردو زبان کے آغاز وارتقاء کا تہذیبی وثقافتی پس منظر

9.3۔ اردو زبان کا صوتیاتی نظام اور دیگر ذخیرۂ الفاظ

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

9.4۔ عمومی جائزہ

9.5۔ فرہنگ

9.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

9.7۔ مشقی سوالات

9.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

9.9۔ امدادی کتب

9.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

اردو زبان کے صوتی ڈھانچے کو سمجھ جائیں گے۔صوتیہ (Phoneme) کے مفہوم اور اہمیت سے واقف ہو جائیں گے۔اردو کے

مصوتوں(Vowels) اور مصمتوں(Consonants) کی پہچان کرسکیں گے۔ہا کاری، معکوسی اور دیگر آوازوں کی خصوصیات جان جائیں گے۔اردو کے صوتیاتی نظام میں ہند آریائی عناصر کی اہمیت سمجھ جائیں گے۔اردو میں مستعمل مختلف آوازوں کے مآخذ سے آگاہ ہو جائیں گے۔تدبھو اور تتسم الفاظ کا فرق سمجھ جائیں گے۔اردو کے ذخیرہ الفاظ کی بنیادی ساخت سے واقف ہو جائیں گے۔ ہند آریائی، عربی اور فارسی الفاظ کے باہمی تعلق کو سمجھ جائیں گے۔اردو زبان کے بنیادی الفاظ، ضمائر، اعداد اور فعلی مادوں کی اہمیت جان جائیں گے۔اردو زبان کے ارتقا میں ہند آریائی مآخذ کے کردار کو سمجھ جائیں گے۔اردو کے محاوروں، ضرب الامثال اور روزمرہ کے لسانی پس منظر سے آگاہ ہو جائیں گے۔

9.1۔تعارف:۔

اردو کی لسانی تاریخ سے قطع نظر، جب ہم اردو کے تہذیبی اور ثقافتی پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں انڈک(Indic) یا ہند آریائی عناصر کے نقوش بالکل صاف نظر آتے ہیں یہ عناصر ہمیں اس ہند آریائی تہذیب کی یاد دلاتے ہیں جو آریوں کے داخلہ ہند کے بعد سے یہاں پنپنا شروع ہوئی۔ یہ اسی تہذیب کا نتیجہ ہے کہ اردو کی بیشتر لسانیاتی خصوصیات کا سلسلہ اپ بھرنش اور پراکرت سے ہوتا ہوا سنسکرت سے جا کر مل جاتا ہے۔

9.2۔اُردو زبان کے آغاز وارتقاء کا تہذیبی وثقافتی پس منظر:۔

سب سے پہلے ہم اردو کے صوتی ڈھانچے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔آج کی معیاری اردو میں ۴۸ صوتیے (Phonemes) پائے جاتے ہیں۔صوتیے کسی زبان کی وہ ممیّز آوازیں(Distinctive Sound units) ہوتی ہیں جن کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً پانی اور بانی۔ان میں پ اور ب کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔لہٰذا یہ دونوں اردو زبان کے دو صوتیے یعنی دو ممیّز آوازیں قرار دی جائیں گی۔اردو کے ۴۸ صوتیوں میں سے ۳۸ مصمتے(Consonants) اور ۱۰ مصوتے(Vowels) ہیں۔ان دس مصوتوں میں دو دوہرے مصوتے بھی شامل ہیں(Diphthongs)۔اردو کے تمام مصوتے پراکرت اور اس کے توسط سے سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔اسی طرح مصمتوں کی ایک بڑی تعداد بھی سنسکرت اور پراکرت سے اردو میں داخل ہوئی ہے۔خالص عربی وفارسی مصمتے اردو میں صرف چھ ہیں، یعنی ق، ف، ز، ژ، خ اور غ۔اردو کے صوتیاتی نظام میں ہائیہ اور معکوسی آوازوں کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ان کے بغیر اردو زبان کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اردو صوتیات اور اردو زبان کا جزوِ لاینفک ہیں۔ ہائیہ اور معکوسی آوازیں بھی اردو کے صوتیے ہیں اور ان کی حیثیت مصمتوں(Consonants)

کی ہے۔اردو کے ۳۸ مصمتوں میں سے گیارہ ہائیہ آوازیں (Aspirates) ہیں، مثلاً بھ، پھ، تھ، دھ، ٹھ، ڈھ، چھ، جھ، کھ، گھ اور چھھ۔ان کے علاوہ بھی اردو میں چار ہائیہ آوازیں مستعمل ہیں جو یہ ہیں: مھ) مجھ (،نھ) ننھا (،لھ) دولھا (اور رھ) سرھانا۔لیکن بیشتر ماہرینِ صوتیات کے نزدیک ان کی حیثیت صوتیوں کی نہیں ہے۔ان چار آوازوں کو شامل کرنے کے بعد اردو کی ہائیہ آوازوں کی تعداد ۱۵ ہو جاتی ہے۔یہ تمام آوازیں ہند آریائی ماٰخذ، مثلاً سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش سے اردو میں آئی ہیں۔ان میں سے کسی بھی آواز کا عربی، فارسی یا ترکی زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

9.3۔اردو زبان کا صوتیاتی نظام اور دیگر ذخیرۂ الفاظ:۔

اسی طرح اردو کے صوتیاتی نظام میں معکوسی آوازیں (Retroflex Sounds) یا معکوسی صوتیوں کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ان سے اردو زبان کا ایک خاص صوتی آہنگ تشکیل پاتا ہے جو اردو کے صوتی مزاج کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے، جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اردو کی معکوسی آوازیں چھے ہیں جن میں سے تین غیر ہائیہ معکوسی آوازیں مثلاً ٹ، ڈ، ڑ اور تین ہائیہ معکوسی آوازیں مثلاً ٹھ، ڈھ، ڑھ ہیں۔ ہائیہ معکوسی آوازوں کی طرح یہ آوازیں بھی ہند آریائی ماٰخذ سے اردو میں داخل ہوئی ہیں اور اردو صوتیات کا جزوِ لاینفک ہیں۔اگر ان آوازوں کو اردو سے خارج کر دیا جائے تو یہ زبان توتلی ہو کر رہ جائے گی۔علاوہ ازیں اردو میں ۱۴ ایسی آوازیں بھی پائی جاتی ہیں جو ہند آریائی، عربی اور فارسی میں مشترک ہیں۔یعنی اردو میں ان کا ارتقاء ہند آریائی ماٰخذ سے بھی ہوا ہے اور عربی و فارسی سے بھی، لیکن اردو میں ان آوازوں پر مشتمل عربی و فارسی الفاظ کی تعداد، ان آوازوں سے تشکیل شدہ ہند آریائی الفاظ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔یہ آوازیں ہیں: ب، ت، د، ج، ک، م، ن، ل، ر، س، ش، ہ، و، ی۔ان کے علاوہ اردو میں ہند آریائی کی تین آوازیں اور بھی ہیں جو فارسی میں بھی پائی جاتی ہیں یعنی پ، چ اور گ، لیکن ان آوازوں سے بننے والے ہند آریائی الفاظ کی تعداد بھی اردو میں ان آوازوں پر مشتمل فارسی الفاظ کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔

اصوات کے علاوہ اردو کے ذخیرہ الفاظ کا ایک بڑا حصہ بھی ہند آریائی ماٰخذ پر مشتمل ہے جن میں سب سے زیادہ تعداد تدبھو الفاظ کی ہے۔سنسکرت کے الفاظ جب اپنی بدلی ہوئی حالت میں استعمال ہوتے ہیں تو تدبھو کہلاتے ہیں۔تدبھو الفاظ کی بنیاد اگرچہ سنسکرت یا قدیم ہند آریائی پر قائم ہے لیکن وسطی ہند آریائی یعنی پراکرت میں پہنچ کر ان کی شکل وصورت اور روپ میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔سنسکرت کے یہی بدلے ہوئے الفاظ تدبھو کہلاتے ہیں۔سنسکرت کے الفاظ جب بغیر کسی تبدیلی یا ردوبدل کے اپنی اصلی حالت میں استعمال ہوتے ہیں تو تتسم کہلاتے ہیں، مثلاً

لفظ 'دگدھ' خالص سنسکرت لفظ ہے جو تتسم کہلاتا ہے، لیکن پراکرت کے لفظ 'دوھ' کو جو 'دگدھ' سے ماخوذ ہے اور اسی کی بدلی ہوئی شکل ہے، تدبھو کہیں گے۔ جدید ہند آریائی یعنی اردو میں یہی لفظ 'دودھ' بن گیا جو تدبھو کی ایک دوسری شکل ہے۔ اردو میں تتسم الفاظ بہت ہی کم ہیں۔ اردو کے ذخیرہ الفاظ کا بیشتر حصہ تدبھو الفاظ پر مشتمل ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے فرہنگِ آصفیہ کے حوالے سے اردو میں ہندوستانی الفاظ کا تناسب ساڑھے تہتر فیصد بتایا ہے جب کہ اردو میں عربی، فارسی اور ترکی الفاظ صرف ساڑھے پچیس فیصد ہیں۔ ایک فیصد یورپی الفاظ بھی اردو میں شامل ہیں۔ ہندوستانی یا ہند آریائی الفاظ اردو کے لیے ناگزیر ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اردو کا کوئی بھی جملہ ہند آریائی الفاظ کے بغیر تشکیل نہیں دیا جا سکتا، جب کہ ایسے بے شمار اردو جملے ترتیب دیے جا سکتے ہیں جن میں کوئی بھی عربی یا فارسی لفظ نہ آیا ہو۔ مثلاً ذیل کے جملے خالص ہند آریائی الفاظ پر مشتمل ہیں:

۱۔ وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔

۲۔ میں کل اپنے گھر جاؤں گا۔

۳۔ آج تم سے ملنے یہاں کون آیا تھا؟

علاوہ ازیں ''رانی کیتکی کی کہانی'' (انشاء اللہ خاں انشاء) اور ''سریلی بانسری'' (آرزو لکھنوی) اردو نثر و نظم کی دو ایسی کتابیں ہیں جن میں ایک بھی عربی یا فارسی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو کا بنیادی ذخیرہ الفاظ ہند آریائی ہے۔ اس کے علاوہ قرابت داری کے الفاظ (مثلاً ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی، نانا، نانی، دادا، دادی، چچا، تایا وغیرہ)، اعداد (مثلاً ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھے، سات، آٹھ، نو، دس، سو وغیرہ) فعلی مادے (مثلاً آ، جا، کھا، پی، چل، سن، دیکھ وغیرہ) ضمائر (مثلاً وہ، تم، میں، ہم، تو، آپ وغیرہ) اور حروفِ جار (مثلاً کو، پر، تک، سے، میں وغیرہ) بھی ہند آریائی ماخذ سے ہی اردو میں داخل ہوئے ہیں جن کی حیثیت بھی بنیادی ذخیرہ الفاظ کی ہے۔ مفرد الفاظ کے علاوہ مرکب الفاظ اور مرکب افعال کی تعداد بھی اردو میں کچھ کم نہیں جن کی بنیاد ہند آریائی ہے۔ اس طرح ہند آریائی سے تعلق رکھنے والے محاوروں، ضرب الامثال اور روزمرہ کی تعداد بھی اردو میں کثیر ہے۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''اردو زبان کے آغاز وارتقاء کا تہذیبی و ثقافتی پس منظر'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 9.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

اسی طرح۔۔۔۔۔کے صوتیاتی نظام میں معکوسی آوازیں (Retroflex Sounds) یا معکوسی صوتیوں کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ ان سے اردو زبان کا ایک خاص۔۔۔۔۔آہنگ تشکیل پاتا ہے جو اردو کے صوتی مزاج کا ایک۔۔۔۔۔بن چکا ہے، جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

9.4۔عمومی جائزہ:۔

اردو کی لسانی تاریخ سے قطع نظر، جب ہم اردو کے تہذیبی اور ثقافتی پس منظر پر نظر ڈالیتے ہیں تو ہمیں انڈک (Indic) یا ہندآریائی عناصر کے نقوش بالکل صاف نظر آتے ہیں یہ عناصر ہمیں اس ہندآریائی تہذیب کی یاددلاتے ہیں جو آریوں کے داخلہ ہند کے بعد سے یہاں پنپنا شروع ہوئی۔ یہ اسی تہذیب کا نتیجہ ہے کہ اردو کی بیشتر لسانیاتی خصوصیات کا سلسلہ اپ بھرنش اور پراکرت سے ہوتا ہوا سنسکرت سے جا کرمل جاتا ہے۔سب سے پہلے ہم اردو کے صوتی ڈھانچے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔آج کی معیاری اردو میں ۴۸ صوتیے (Phonemes) پائے جاتے ہیں۔ صوتیے کسی زبان کی وہ ممیّز آوازیں (Distinctive Sound Units) ہوتی ہیں جن کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً پانی اور بانی۔ ان میں پ اور ب کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔لہٰذا یہ دونوں اردو زبان کے دو صوتیے یعنی دو ممیّز آوازیں قرار دی جائیں گی۔

اردو کے ۴۸ صوتیوں میں سے ۳۸ مصمتے (Consonants) اور ۱۰ مصوتے (Vowels) ہیں۔ ان دس مصوتوں میں دو دوہرے مصوتے بھی شامل ہیں (Diphthongs)۔اردو کے تمام مصوتے پراکرت اور اس کے توسط سے سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔اسی طرح مصمتوں کی

ایک بڑی تعداد بھی سنسکرت اور پراکرت سے اردو میں داخل ہوئی ہے۔خالص عربی و فارسی مصمتے اردو میں صرف چھے ہیں،یعنی ق،ف،ز،ژ،خ اور غ۔اردو کے ۳۸ مصمتوں میں سے گیارہ ہائیہ آوازیں(Aspirates) ہیں،مثلاً بھ، پھ،تھ،دھ،ٹھ،ڈھ، چھ، جھ، کھ، گھ اور ڑھ۔ان کے علاوہ بھی اردو میں چار ہائیہ آوازیں مستعمل ہیں جو یہ ہیں مھ(تمھارا)،نھ(ننھا)،لھ(دولھا)اور رھ(سرھانا)۔

اسی طرح اردو کے صوتیاتی نظام میں معکوسی آوازیں(Retroflex Sounds) یا معکوس صوتیوں کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ان سے اردو زبان کا ایک خاص صوتی آہنگ تشکیل پاتا ہے جو اردو کے صوتی مزاج کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے،جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔اردو کی معکوسی آوازیں چھے ہیں جن میں سے تین غیر ہائیہ معکوسی آوازیں مثلاً ٹ،ڈ،ڑ اور تین ہائیہ معکوسی آوازیں مثلاً ٹھ،ڈھ،ڑھ ہیں۔علاوہ ازیں اردو میں ۱۴ ایسی آوازیں بھی پائی جاتی ہیں جو ہند آریائی،عربی اور فارسی میں مشترک ہیں۔یعنی اردو میں ان کا ارتقاء ہند آریائی ماخذ سے بھی ہوا ہے اور عربی و فارسی سے بھی،لیکن اردو میں ان آوازوں پر مشتمل عربی و فارسی الفاظ کی تعداد،ان آوازوں سے تشکیل شدہ ہند آریائی الفاظ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔یہ آوازیں ہیں: ب،ت،د،ج،ک،م،ن،ل،ر،س،ش،ہ،و،ی۔ان کے علاوہ اردو میں ہند آریائی کی تین آوازیں اور بھی ہیں جو فارسی میں بھی پائی جاتی ہیں یعنی پ،چ اور گ۔

اصوات کے علاوہ اردو کے ذخیرہ الفاظ کا ایک بڑا حصہ بھی ہند آریائی ماخذ پر مشتمل ہے جن میں سب سے زیادہ تعداد ''تدبھو'' الفاظ کی ہے۔سنسکرت کے الفاظ جب اپنی بدلی ہوئی حالت میں استعمال ہوتے ہیں تو تدبھو کہلاتے ہیں۔تدبھو الفاظ کی بنیاد اگرچہ سنسکرت یا قدیم ہند آریائی پر قائم ہے لیکن وسطی ہند آریائی یعنی پراکرت میں پہنچ کر ان کی شکل وصورت اور روپ میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔سنسکرت کے یہی بدلے ہوئے الفاظ تدبھو کہلاتے ہیں۔سنسکرت کے الفاظ جب بغیر کسی تبدیلی یا ردو بدل کے اپنی اصلی حالت میں استعمال ہوتے ہیں تو ''تتسم'' کہلاتے ہیں۔پروفیسر گیان چند جین نے فرہنگِ آصفیہ کے حوالے سے اردو میں ہندوستانی الفاظ کا تناسب ساڑھے تیہتر فیصد بتایا ہے جب کہ اردو میں عربی،فارسی اور ترکی الفاظ صرف ساڑھے پچیس فیصد ہیں۔ایک فیصد یورپی الفاظ بھی اردو میں شامل ہیں۔یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اردو کا کوئی بھی جملہ ہند آریائی الفاظ کے بغیر تشکیل نہیں دیا جا سکتا،جب کہ ایسے بے شمار اردو جملے ترتیب دیے جا سکتے ہیں جن میں کوئی بھی عربی یا فارسی لفظ نہ آیا ہو۔مثلاً ذیل کے جملے خالص ہند آریائی الفاظ پر مشتمل ہیں:

(ا)وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو کا بنیادی ذخیرہ الفاظ ہند آریائی ہے۔

9.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
صوت	آواز	زمرے	گروپ
صوتیہ	زبان کی ممیّز آواز	صوتیات	آوازوں کا علم
ممیّز	الگ پہچان رکھنے والا	مصوتے	حروفِ علت/Vowels
مصمتے	حروفِ صحیح/Consonants	دوہرے مصوتے	Diphthongs
ماخوذ	اخذ کیا گیا، لیا گیا	صوتیاتی نظام	آوازوں کا نظام
ہائیہ آوازیں	سانس کے زور سے ادا ہونے والی آوازیں		
معکوسی آوازیں	زبان کو موڑ کر ادا کی جانے والی آوازیں		
جزو لاینفک	ایسا حصہ جو الگ نہ کیا جا سکے	مستعمل	رائج، استعمال ہونے والا
مآخذ	اصل سرچشمہ، بنیادی ذریعہ	معکوس صوتیے	Retroflex Sounds
صوتی آہنگ	آوازوں کی خاص ترتیب	ارتقا	تدریجی ترقی
ذخیرہ الفاظ	الفاظ کا مجموعہ		
تدبھو	بدلی ہوئی شکل میں مستعمل سنسکرت الفاظ		
تتسم	اصل سنسکرت شکل میں مستعمل الفاظ	تناسب	نسبت، شرح
ناگزیر	لازمی، ضروری	قرابت داری	رشتہ داری
فعلی مادے	فعل کی بنیادی شکلیں	ضمائر	اسم کے قائم مقام الفاظ
ضرب الامثال	کہاوتیں		

9.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔اردو زبان کے صوتیاتی نظام کی وضاحت کیجیے؟

2۔اردو زبان کے آغاز وارتقا کا تہذیبی وثقافتی پس منظر بیان کیجیے؟

3۔اردو زبان کے مصوتوں اور مصمتوں کی وضاحت کیجیے؟

9.7۔مشقی سوالات:۔

سوال:1 صوتیہ (Phoneme) سے کیا مراد ہے؟

سوال:2 تد بھوالفاظ کسے کہتے ہیں؟

9.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

جواب: زبان کی وہ ممیّز آواز جس کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے، صوتیہ کہلاتی ہے۔

جواب: سنسکرت کے وہ الفاظ جو تبدیل شدہ صورت میں زبان میں مستعمل ہوں تد بھوالفاظ کہلاتے ہیں۔

(جوابات سرگرمی: ۱۔اردو، ۲۔صوتی، ۳۔اہم حصہ۔)

9.9۔امدادی کتب:۔

اردو اور فنِ قصہ گوئی	از کلیم الدین احمد
زبان اور علمِ زبان	از پروفیسر عبدالقادر سروری

سبق نمبر۱۰:۔اُردو زبان کا ارتقاء(جنوبی ہند اور شمالی ہند)

ساخت

10۔ اغراض ومقاصد
10.1 ۔تعارف
10.2۔ اُردو زبان کا ارتقاء شمالی ہند میں
10.3۔ اُردو زبان کا ارتقاء جنوبی ہند میں (دکن)
سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)
10.4۔ عمومی جائزہ
10.5۔ فرہنگ
10.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
10.7۔ مشقی سوالات
10.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔
10.9۔ امدادی کتب

10۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

اردو زبان کے ارتقاء میں شمالی ہند اور جنوبی ہند کے کردار سے واقف ہو جائیں گے۔اردو زبان کے قدیم ناموں مثلاً ہندی، ہندوی،

گجری اور دکنی کے بارے میں جان جائیں گے۔ دکن میں اردو زبان کے فروغ اور ترقی کے اسباب سیکھ لیں گے۔ محمد بن تغلق کی دارالحکومت کی منتقلی کے اردو زبان پر اثرات سے آگاہ ہو جائیں گے۔ بہمنی سلطنت اور اس کی ادبی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں گے۔ دکنی اردو کے ابتدائی شعرا اور ادبا سے متعارف ہو جائیں گے۔ عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کی اردو زبان و ادب کے لیے خدمات سے واقف ہو جائیں گے۔ دکنی ادب کی اہم تصانیف اور مثنویوں کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ اردو ادب میں ہندوستانی تہذیب، ثقافت اور روایات کی عکاسی کو پہچان لیں گے۔ اردو شاعری میں ہندوستانی تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کے استعمال سے واقف ہو جائیں گے۔ اردو میں گیت نگاری، نظم نگاری اور مثنوی نگاری کی روایات کے بارے میں جان جائیں گے۔ اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں دکن کی تاریخی اور ادبی اہمیت کو سمجھ جائیں گے۔

10.1۔تعارف:۔

زبان کی لسانیاتی سطح سے قطع نظر، اس کی ایک سطح وہ ہوتی ہے جو اس کی ادبی سطح کہلاتی ہے۔ ادبی سطح پر بھی زبان کی جڑیں سماج اور تہذیب میں گہرے پیوست ہوتی ہیں۔ سماج کے ہر دھڑکن اور تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اردو کی جڑیں چونکہ ہندوستانی تہذیب میں گہری پیوست ہیں۔ لہٰذا اس کے ادب میں ہندوستانی تہذیب کے عناصر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔

10.2۔اُردو زبان کا ارتقاء شمالی ہند میں:۔

اردو ادب کے قدیم ترین نمونے جو شمالی ہندوستان اور دکن میں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں صوفی شعراء کا کلام بھی شامل ہے، جن کی زبان عموماً ہندی ہے۔ اردو کے بعض قدیم شعراء نے دوہے کا استعمال بھی کیا ہے۔ مثلاً امیر خسرؔو (۱۳۲۵ء) کا ہندوی کلام دوہے کی شکل میں بھی ملتا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے سودا، حاتم، انشاء، جرات، نظیر، سب کے یہاں دوہوں کی نشاندہی کی ہے۔ اسی طرح بعض دکنی شعراء نے چوپائی کی بحر بھی استعمال کی ہے۔ دوہے اردو کے جدید شعراء نے بھی لکھے ہیں جن میں جمیل الدین عالؔی کا نام سرِ فہرست ہے۔ اس طرح اردو شاعری پر ہندوستانیت کی چھاپ بہت صاف نظر آتی ہے۔

اردو ادب پر ہندو دیو مالا یا ہندوستانی اساطیر (Indian Mythology) کا بھی گہرا اثر رہا ہے۔ دکنی ادب میں اس کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جدید اردو فکشن میں راجندر سنگھ بیدی کے یہاں ہندوستانی اساطیر کا رنگ بہت گہرا ہے جس کا تجزیہ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے

اپنے ایک مضمون میں بہت خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ ہندوستانی اساطیر کے علاوہ ہندوستانی فکر، ہندوستانی مزاج اور ہندوستانی فلسفہ واقدار کی عکاسی بھی اردو ادب میں بھرپور انداز میں ہوئی ہے۔قرۃ العین حیدر نے اپنے ناول ''آگ کا دریا'' میں قدیم ہندوستان کی تہذیب واقدار اور شعور وفلسفہ کو منعکس کرنے کی نہایت کامیاب کوشش کی ہے۔ ہندوستانی تہذیب کے دلکش نمونے میر انیس کے مرثیوں تک میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔میر انیس کے بارے میں نقادوں کی یہ عام رائے ہے کہ انھوں نے اپنے کرداروں کو ہندوستانی رنگ میں رنگ کر پیش کیا ہے اوران کا تہذیبی پس منظر نیز ماحول اور فضا سب کچھ ہندوستانی ہے۔اُردو میں گیت نگاری کی روایت بھی شروع سے ملتی ہے۔گیت نگاری کی ابتداء عوامی یا لوک گیتوں سے ہوئی جن میں ہندوستانی تہذیب کے مرقعے پیش کئے گئے۔عظمت اللہ خاں نے گیت کو نئی جہات سے روشناس کرایا۔اس کے بعد ادبی گیت نگاری کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور اردو کے اچھے شعراء اردو میں گیت لکھنے کی طرف مائل ہوئے جن میں میراجی، حفیظ جالندھری، ساغر نظامی، ناصر شہزاد اور زبیر رضوی کے نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

اُردو میں نظم نگاری کی بھی نہایت شاندار روایت رہی ہے۔اس ضمن میں نظیر اکبرآبادی، حالی، محمد حسین آزاد، اقبال، چکبست، اسماعیل میرٹھی، جوش ملیح آبادی، ساغر نظامی، اختر شیرانی، فراق گورکھپوری اور آنند نرائن ملا کے نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ان شعراء نے اپنی نظموں میں ہندوستان کی تہذیبی زندگی اور یہاں کی فضا اور ماحول کا بہترین عکس پیش کیا ہے۔نظیر اکبرآبادی کو تو پروفیسر آل احمد سرور نے ہندوستانی تہذیب کا عاشق کہا ہے۔عہدِ حاضر کی بعض نظموں کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا جن میں ہندوستانی فکر، مزاج اور فلسفے کو منعکس کیا گیا ہے۔ مثلاً ''میں گوتم نہیں ہوں'' (خلیل الرحمٰن اعظمی)، ''آہ اگمن'' (عادل منصوری)، ''مکتی'' (قاضی سلیم)، ''سرسوتی'' (مظہر امام)، ''شگون'' (مخمور سعیدی)، ''پربت آتما'' (کمار پاشی)، ''پرماتما کے نام آتما کے پتر'' (محمد صلاح الدین پرویز)، ''یدھشٹھر'' (عنؔبر بہرائچی) وغیرہ۔ ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کے ساتھ ساتھ اردو شعراء نے اپنے کلام میں ہندوستانی تلمیحات واشارات اور ہندوستانی تشبیہات واستعارات کا بھی آزادانہ استعمال کیا ہے۔اس کا سلسلہ دکن سے شروع ہوتا ہے اور محسنؔ کاکوروی کے یہاں اپنے عروج کو پہنچا ہے۔جنھوں نے اپنے کلام میں خاص ہندوستانی تلمیحات سے کام لیا ہے۔مثلاً:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

امیر مینائی کہتے ہیں۔

سانولی دیکھ کے صورت کسی متوالی کی
ہوں مسلمان، مگر بول اٹھوں جے کالی کی

اردو کے نئے شاعروں نے بھی ہندوستانی تشبیہات وعلامات سے کام لیا ہے۔ چنانچہ خلیل الرحمٰن اعظمی ''مضامینِ نو،، میں لکھتے ہیں کہ:

''جدید تر شاعر نے پرانی علامتوں کو اپنی ذہنی کیفیات کے اظہار کے لئے ناکافی سمجھ کر خود اپنے ماحول اور زندگی سے علامتیں وضع کی ہیں اور اس نے اس سلسلے میں خود اپنے حواسِ خمسہ کو رہنما بنایا ہے۔ اس عمل میں اردو غزل اپنی دھرتی سے بہت قریب آ گئی ہے۔،،

نئی غزل کے یہ اشعار دیکھیے جن میں یہاں کی دھرتی کا لمس شامل ہے:

اگر ملا تو ملے گا دکھوں میں ہی نروان
سراغ اس کا عبادات میں نہ گیان میں ہے

(وحید اختر)

بچپن میں آکاش کو چھوٹا سا لگتا تھا
اس پیپل کی شاخیں اب کتنی نیچی ہیں

(مظفر حنفی)

اب نہ وہ گیت، نہ چوپال، نہ پنگھٹ، نہ الاؤ
کھو گئے شہر کے ہنگاموں میں حالات مرے

(عبدالرحیم نشتر)

کچھ مدھر تانیں فضا میں تھرتھرا کر رہ گئیں
دھان کے کھیتوں میں چنچل پنچھیوں کا شور تھا

(عبدالرحیم نشتر)

شوخ ہرنوں کے قلانچیں ماریں
مور کے رقص ہوئے جنگل میں

(محمد علوی)

لوٹ کر آؤں گا پھر گاؤں تمہارے اک دن
اپنے دروازے پر ایک دیپ جلائے رکھنا

(عبداللہ کمال)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان وادب میں ہندوستانی تہذیب کی بھرپور نمائندگی پائی جاتی ہے کیونکہ بقول پروفیسر گوپی چند نارنگ کسی بھی سماج کا تہذیبی اور فکری سرمایہ اس کے ادب میں جھلکتا ہے۔ ہر زبان کا ادب اپنے سماج کی دھرتی اور اس میں اتری ہوئی جڑوں کو کسی نہ کسی طرح سے ضرور پیش کرتا ہے۔

10.3۔اُردو زبان کا ارتقاء جنوبی ہند میں (دکن):۔

شمالی ہندوستان میں تقریباً ایک سو سال تک فروغ پانے کے بعد اردو جنوبی ہندوستان یعنی دکن کا رخ کرتی ہے جہاں اسے 'ہندوی' کے علاوہ 'دکنی' بھی کہا جاتا ہے، لیکن اس زبان کا دکنی نام بہت زیادہ قدیم نہیں۔ مسعود حسین خاں کے قول کے مطابق عہدِ بہمنی میں کسی مصنف نے اپنی زبان کو دکنی نام سے نہیں پکارا ہے۔ اس کے ہندی، ہندوی اور گجری نام زیادہ قدیم ہیں۔ قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کے قیام کے بعد ہی اس کا نام دکنی پڑا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح ہندی اور ہندوی اردو کے قدیم نام ہیں اسی طرح دکنی بھی اردو کا ایک قدیم نام ہے۔ چنانچہ عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''دکنی قدیم اردو کا وہ روپ ہے جس کی ادبی نشو ونما ابتدائی زمانے میں دکن اور گجرات میں چودھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے سترہویں صدی کے اواخر کے دوران میں ہوئی۔ یہ زبان بھی جدید ہند آریائی کی ایک شاخ ہے اور اس کا آغاز بھی جدید ہند آریائی زبانوں کے ساتھ ساتھ ہوا۔'' (دکنی زبان مشمولہ دکنی اردو، مرتبہ عبدالستار دلوی، ص۳۲۹)

دکنی زبان کو کبھی گجری، کبھی گجراتی تو کبھی دکھنی بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ دکن کی ایک تصنیف ''بھوگ مل'' میں اس کا ثبوت مل جاتا ہے۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''یہ زبان اُس وقت تک ہندی یا ہندوی کہلاتی رہی جب تک یہ دکن میں خود اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہوگئی۔ جب دکن کے ماحول نے اپنے شمال کی زبان سے رنگ روپ میں الگ کر دیا تو یہ بجائے ہندی کے دکنی کہلائی جانے لگی۔ ''بھوگ مل'' (۱۶۱۴ء) کا مصنف قریشی پہلا شخص ہے جس نے اس زبان کو 'دکھنی' کے نام سے پکارا۔''

(تاریخ ادب اردو، جلد اول، ص (۱۵۶۔۱۵۵)

دکن میں اردو کا عمل دخل دکن پر مسلمانوں کے حملوں سے شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے دہلی کے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کا فوجی سپہ سالار ملک کافور ۱۲۹۴ء میں دیوگری پر چڑھائی کرتا ہے۔ دیوگری مہاراشٹر میں واقع ہے۔ دیوگری مہاراشٹر کی ایک قدیم ریاست ہے، جہاں یادو خاندان کی حکومت تھی، صدر مقام تھا۔ دکنی سیاست میں دیوگری کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ دیوگری کا قلعہ سیاسی استحکام کی علامت سمجھا جاتا تھا اور دکن میں پیش قدمی کے لئے مزاحمت تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ دیوگری پر تسلط قائم کر کے ان مزاحمتوں کو ختم کرنا مقصود تھا تاکہ آئندہ دکن پر حملوں کے لئے راہیں ہموار ہو جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ دیوگری پر فوج کشی کے بعد دکن کے دوسرے مراکز پر تسلط آسان ہو گیا، اور آئندہ کے لئے بھی شمالی ہندوستان کے حکمرانوں کے لئے دکن کا راستہ کھل گیا۔ دکن میں اردو کی ابتداء اگرچہ علائی حملوں سے ہوتی ہے لیکن اس کی ترقی، فروغ اور اشاعت کے امکانات صحیح معنوں میں اس وقت سے روشن ہونا شروع ہوتے ہیں جب سلطان محمد تغلق ۱۳۲۷ء میں دولت آباد (دیوگری) کو اپنا پایہ تخت بناتا ہے۔ علاء الدین خلجی کی فوجوں کے ساتھ دکن جانے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی اور اس میں عام لوگ شامل نہ تھے لیکن جب ۱۳۲۷ء میں دولت آباد پایہ تخت قرار پایا تو سلطانِ وقت کے حکم سے دہلی کی تمام رعایا دکن کے لئے کوچ کر گئی اور دہلی تقریباً اجڑ گئی۔

شمالی ہند:

شمالی ہندوستان سے دکن پہنچنے والوں میں ہر طبقے کے لوگ شامل تھے۔ ایک روایت کے مطابق دولت آباد میں عالموں، صوفیوں اور زاہدوں کی چودہ سو پالکیاں آئی تھیں۔ ہر پالکی نشین عالم اور صوفی کے ساتھ ان کے شاگردوں اور معتقدوں کی ایک بڑی جماعت بھی ہوتی تھی۔ یہ لوگ وہی زبان اپنے ساتھ دکن لے گئے تھے جو ابھی اپنی تشکیلی مراحل سے گزری تھی اور خام و ناپختہ تھی۔ علاوہ ازیں اس میں مختلف بولیوں کے لسانی اثرات شامل تھے۔

اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ پایہ تخت کی منتقلی کے وقت دکن میں نظم ونسق، مالیات اور فوج کی ذمے داری امیرانِ صدہ کے سپرد تھی۔ علاء الدین خلجی نے جب دکن کو فتح کر لیا تو وہاں کی انتظامی سہولیات اور ضروریات کے پیش نظر پورے مفتوحہ علاقے کو سوسو گاؤں کے حلقوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حلقے میں ایک ترک سردار تعینات کیا۔ یہ ترک سردار امیرِ صدہ کہلاتا تھا۔ امیرانِ صدہ کا تعلق اگرچہ شمال سے تھا، لیکن یہ لوگ اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ دکن میں اس طرح رہنے لگے تھے کہ دکن کو ہی انہوں نے اپنا وطن مان لیا تھا اور ان کی نسلوں کے لئے شمال ایک ’غیر ملک‘ کی حیثیت رکھتا تھا۔ محمد بن تغلق کے عہد میں بھی امیرانِ صدہ کا نظم برقرار رہا بلکہ اسے اور استحکام حاصل ہوا۔

محمد تغلق نے اگرچہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اپنا پایہ تخت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تھا لیکن اسے جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ شہر دہلی کو ہی پایہ تخت بنائے رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ اس نے پایہ تخت کی منتقلی کا دوبارہ حکم دیا۔ لیکن سیکڑوں خاندانوں نے جو ۱۳۲۷ء میں دکن جا کر بس گئے تھے، دوبارہ نقل مکانی کو مناسب نہ سمجھا اور وہیں کے ہو رہے۔ محمد بن تغلق نے دکن کے انتظامی اور سیاسی امور کی دیکھ بھال کے لئے اپنا ایک نمائندہ مقرر کر دیا تھا لیکن ابھی دو دہائیاں بھی گزرنے نہ پائی تھیں کہ امیرانِ صدہ کی شورشوں کی وجہ سے دکن پر سلطنتِ دہلی کا اقتدار روز بروز کم ہونے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہی امیرانِ صدہ میں سے ایک امیر علاء الدین بہمن شاہ نے ۱۳۴۷ء میں محمد بن تغلق کی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے گلبرگہ میں ایک خود مختار سلطنت کے قیام کا اعلان کر دیا جو بہمنی سلطنت کہلائی۔ بعد میں یہ بیدر منتقل ہو گئی۔ علاء الدین بہمن شاہ کو تمام امیرانِ صدہ کی حمایت حاصل تھی۔ اسے نئی سلطنت کا بادشاہ دراصل انہی امیروں نے بنایا تھا۔ یہ لوگ نسلاً ترک تھے اور شمالی ہندوستان سے تعلق رکھتے تھے لیکن خود کو دکنی کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ’’شمال دشمنی‘‘ کے جذبات پنپنے لگے تھے۔ جمیل جالبی نے دکن کی اس نئی صورتِ حال کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:

’’اس نئی سلطنت کی بنیاد میں شمال دشمنی کے جذبات شامل تھے۔ شمال دشمنی کے جوش میں انہوں نے سیاسی لائحہ عمل کے طور پر ان تمام عناصر کو ابھارا جو شمال سے مختلف اور خصوصیت کے ساتھ سرزمینِ دکن سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک موثر نفسیاتی حربے کے طور پر بہمنیوں نے دل کھول کر مقامی روایات کی حوصلہ افزائی کی۔ دیسی رسوم ورواج، میلوں ٹھیلوں اور تہواروں کو ترقی دی۔ باہمی ربط وضبط، میل جول اور معاشرت وتہذیب کو گہرا کرنے کے لئے اس زبان کی سرپرستی کی جسے آج ہم ’اردو‘ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔۔۔ ۱۳۴۷ء سے لے کر تقریباً تین سوسال سے زیادہ عرصے تک یہ زبان جو شمالی ہند سے آئی تھی سرزمینِ دکن کے لسانی وتہذیبی اثرات قبول کرتی ہوئی آزادانہ طور

پر نشو و نما پاتی رہی۔ یہی وہ زبان ہے جسے آج ہم دکنی اردو کے نام سے پکارتے ہیں اور جس کا ادب اردو زبان کی تاریخ میں ایک ابدی نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (تاریخ ادب اردو، جلد اول، ص: ۴۹۔۱۵۰)

بہمنی سلطنت ۱۳۴۷ء سے لے کر ۱۵۲۷ء تک یعنی پورے پونے دوسو سال تک قائم رہی اور اس میں کل ۱۸ حکمران گزرے، جنہوں نے سلطنت کی توسیع و ترقی کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہمنی سلطنت کے پونے دوسو سال کے عرصے میں دکن کے پورے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہند کے بعض دوسرے علاقے بھی اس کے زیرِ نگیں تھے۔ دھیرے دھیرے بہمنی سلطنت اپنے صوبائی حکام اور فوجی افسروں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے سیاسی استحکام کھونے لگی اور زوال پذیر ہوکر پانچ حصوں میں تقسیم ہوگئی، جن کے نام ہیں:

۱۔ بیجاپور میں عادل شاہی

۲۔ گولکنڈہ میں قطب شاہی

۳۔ احمد نگر میں نظام شاہی

۴۔ بیدر میں برید شاہی

۵۔ برار میں عماد شاہی

سوائے عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے باقی تمام سلطنتیں زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکیں۔ عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنت نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ پانچ دکن کی خود مختار سلطنتیں تھیں اور دکن کے مختلف علاقوں میں قائم ہوئی تھیں۔ بہمنی سلطنت اگر چہ ۱۵۲۷ء تک قائم رہی لیکن آخری دور میں محض برائے نام حکومت تھی۔ بہمنی سلطنت کے چودھویں بادشاہ محمود شاہ (۱۴۸۲ء تا ۱۵۱۸ء) کے عہد میں دکن کے مختلف خطوں میں مذکورہ پانچ خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ دکن کی خود مختار سلطنتوں نے اردو کی ترقی، ترویج و اشاعت میں دل کھول کر حصہ لیا۔ ۱۳۴۷ء میں بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد سے ہی دکن میں اردو میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔

دکن میں اردو کے اولین نمونے ہمیں بہمنی دور سے ہی ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بہمنی دور میں تصنیف و تالیف کا زیادہ تر کام صوفیائے کرام کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس میں سب سے پہلا نام شیخ عین الدین گنج العلم (۱۳۰۶ء۔۱۳۹۲ء) کا آتا ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا نام خواجہ بندہ نواز گیسودراز (۱۴۲۱ء) کا آتا ہے۔ ان کے نام سے ایک کتاب ''معراج العاشقین'' منسوب کی جاتی ہے جو دراصل مخدوم شاہ حسینی کی ہے۔ خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی نثر و نظم دونوں کے نمونے موجود ہیں۔

نمونہ کلام:

کھڑے کھڑے پیو جیو میں اپیں آپ دکھاوے

ایسے بیٹھے معشوق کوں کوی کیوں دیکھ پاوے

خواجہ بندہ نواز کی نثر کا نمونہ جس سے قدیم اردو نثر کا اندازہ ہوسکتا ہے:

''انسان کے بوجنے کوں پانچ تن، ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں اور پانچ دربان۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطان، نفس اس کا اجارہ، یعنی واجب کی آنکھ سوں غیر نہ دیکھنا سو، حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو، حسد تک سوں بدبو نہ لینا ہو۔ پیر طبیبِ کامل ہونا، نبض پہچان کردوا دینا۔''

اس کے علاوہ ایک دوسری کتاب ''ہدایت نامہ'' تصوف کے موضوع پر ان کے نام سے منسوب ہے۔ بہمنی سلطنت کی سب سے مشہور اور اہم تصنیف ''مثنوی کدم راؤ اور پدم راؤ'' ہے، جسے اردو کی سب سے پہلی تصنیف بھی مانا جاتا ہے اور اس کے مصنف کا نام فخر الدین نظامی ہے۔ بہمنی سلطنت کے اسی عہدِ زوال میں شاہ میراں جی شمس العشاق (۱۴۹۶ء) جیسے اعلیٰ پائے کے شاعر گزرے ہیں۔ جنھوں نے تصوف کے موضوع پر کئی نظمیں لکھیں جن میں ''خوش نامہ''، ''خوش نغز'' اور ''شہادت الحقیقت'' اہم ہیں۔ بہمنی دور کے ایک اور مصنف سید شاہ اشرف بیابانی (۱۴۵۹ء۔۱۵۲۸ء) گزرے ہیں۔ ان کی تصانیف میں ''لازم المبتدی''، ''واحد باری'' اور ''نوسرہار'' خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ۱۴۹۰ء میں جب بیجاپور میں عادل شاہی حکومت قائم ہوئی تو وہاں بھی شعروادب کا چرچا شروع ہوا۔ اس سلطنت کے ایک بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۷ء) اردو کے اہم شاعر گزرے ہیں۔ انہوں نے مثنویاں، غزلیں اور گیت لکھے، جن میں گیتوں کا مجموعہ ''نورس'' آج بھی ایک علمی یادگار سمجھا جاتا ہے۔ اس کے دربار سے کئی شاعر منسلک تھے جن میں نصرتی، ہاشمی اور کمال خان رستمی قابلِ ذکر ہیں۔

نصرتی دکنی اردو کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی تین مثنویاں ہیں جن میں ''گلشنِ عشق''، ''علی نامہ'' اور ''تاریخِ اسکندری'' خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے بعد ہاشمی کا نام آتا ہے جنہوں نے ریختی کا دیوان اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ مثنوی نگاری میں بھی ان کو اہمیت حاصل تھی۔ ان کی قابلِ ذکر مثنوی ''یوسف زلیخا'' ہے۔ رستمی بیجاپور کے ایک اور مشہور شاعر گزرے ہیں، جنہوں نے ''خاور نامہ'' کے نام سے اردو کی سب سے بڑی مثنوی لکھی۔ اس عہد میں جہاں نظم کو فروغ ہوا وہیں نثر کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی۔ اردو نثر میں لکھی جانے والی مسائلِ تصوف پر سب سے عمدہ کتاب شاہ برہان الدین جانمؔ کی ''کلمتہ الحقائق'' ملتی ہے۔ ان مصنفین کے علاوہ عبدل نے ''ابراہیم نامہ''، ملک

خوشنود نے ''جنت سنگار''، حسن شوقی نے ''فتح نامہ نظام شاہ''، صنعتی نے ''قصہ بے نظیر''، مقیمی نے ''چندر بدن ومہیار'' جیسی مشہور ومعروف کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔۱۵۱۲ء میں گولکنڈہ میں سلطان قلی قطب شاہ نے قطب شاہی حکومت قائم کی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ حکمران ہوئے۔۱۶۸۷ء میں اورنگزیب نے گولکنڈہ کو فتح کر کے یہ سلطنت اپنے قلمرو میں شامل کر لی۔

اس عہد میں احمد گجراتی کی مثنوی ''یوسف زلیخا'' (۸۴۔۱۵۸۰) کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئی (اور اسے دبستانِ گولکنڈہ کی پہلی ادبی کاوش کہا جاتا ہے۔محمد قلی قطب شاہ گولکنڈہ کا ایک نامور شاعر اور ادیب گزرا ہے۔اردو ادب میں پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا اعزاز بھی اسی کو حاصل ہے۔ یہ حکمران ''بارہ پیاریوں'' کے نام سے بھی مشہور ہوا اور شاعری میں ۱۸ تخلص استعمال کئے۔اس کا اردو کلام پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔اردو شاعری کی مختلف اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ اور رباعی وغیرہ میں اس نے طبع آزمائی کی اور اپنی قادرالکلامی کے جوہر دکھائے۔ملا اسداللہ وجہی، محمد قلی قطب شاہ کے عہد کا بہت بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ یہ گولکنڈہ کا پہلا ملک الشعرا تھا اور اس نے بادشاہِ وقت کے عشق کی داستان کو اپنی مثنوی ''قطب مشتری'' میں منظوم کیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۶۰۹ء میں لکھی گئی۔

غواصی دبستانِ گولکنڈہ کا ایک ممتاز شاعر تھا۔اس نے سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں شہرت حاصل کی اور بادشاہِ وقت نے اسے ''فصاحت آثار'' کے خطاب سے نوازا تھا۔کلیاتِ غواصی کو ڈاکٹر محمد بن عمر نے مرتب کر کے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا، جس میں غزلیں، قصائد، مرثیے، رباعیات اور مثنویاں شامل ہیں۔غواصی نے تین مثنویاں لکھی ہیں جن میں پہلی مثنوی ''میناستونتی'' ہے جو حمیدیؔ کے فارسی قصہ ''عصمت نامہ'' پر مبنی ہے۔غواصی کی دوسری مثنوی ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' فارسی نثر کے ترجمے ''الف لیلہ'' سے ماخوذ ہے۔ یہ مثنوی ۱۶۲۵ء میں لکھی گئی۔غواصی کی تیسری مثنوی ''طوطی نامہ'' عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۶۳۹ء میں لکھی گئی۔مثنوی ''پھول بن'' دبستانِ گولکنڈہ کا ایک زبردست فنی کارنامہ ہے۔ یہ مثنوی ابن نشاطی کی تصنیف ہے۔ابن نشاطی قطب شاہی عہد کا ایک قدآور شاعر تھا۔۱۶۵۵ء میں لکھی گئی اس مثنوی کی بنیاد ایک فارسی قصے ''بساتین الانس'' پر ہے۔مثنوی میں محض ترجمے پر توجہ نہیں بلکہ اس میں ابن نشاطی کی فنکارانہ صلاحیتیں اور مقامی ماحول کا عکس صاف طور پر نظر آتا ہے۔ابن نشاطی نے اپنی اس مثنوی میں گزرے ہوئے دکنی شعراء کو استادی کی حیثیت سے یاد کیا ہے کہ:

نہیں وو کیا کروں فیروزؔ استاد
جو دیتا شاعری کا کچ مرا داد

حسن شوقی اگر ہوتا تو الحال

ہزاراں بھیجتا رحمت منھ اپرال

قطب شاہی عہد کی دیگر مثنویوں میں طبعی کی ''بہرام وگل اندام''، احمد جنیدی کی ''ماہ پیکر'' قابلِ ذکر ہیں۔ فائز اس دور کا آخری شاعر تھا۔ اس کی مثنوی ''رضوان شاہ وروح افزا'' ۱۶۸۲ء کی تصنیف ہے۔ بقول اشرف رفیع:

''یہ قطب شاہی دور کی آخری مثنوی ہے اور دکنی اردو کو ریختہ سے ملانے والی پہلی مثنوی ہے۔''

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد عادل شاہی اور قطب شاہی عہد میں صنفِ مثنوی نے اردو شاعری میں سب سے زیادہ ترقی حاصل کی جس کی وجہ سے دکنی زبان کا ارتقاء ممکن ہوسکا۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''اردو زبان کا ارتقاء (جنوبی ہند اور شمالی ہند)'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 10.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

محمد قلی قطب شاہ ۔۔۔ کا ایک نامور شاعر اور ادیب گزرا ہے۔ اردو ادب میں پہلا صاحبِ دیوان ۔۔۔ ہونے کا اعزاز بھی اسی کو حاصل ہے۔ یہ حکمران ''بارہ پاریوں'' کے نام سے بھی مشہور ہوا اور شاعری میں ''قطب'' ۔۔۔۔۔ استعمال کرتا تھا۔ اس کا اردو کلام پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اردو شاعری کی مختلف اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ اور رباعی وغیرہ میں اس نے ۔۔۔۔۔ کی اور اپنی قادرالکلامی کے جوہر دکھائے۔

10.4۔عمومی جائزہ:۔

اردو زبان برصغیر کی ایک اہم اور ہمہ گیر زبان ہے جس کی تشکیل اور ارتقاء میں شمالی ہند اور جنوبی ہند دونوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

اردو کی ابتدائی صورت ہندوی، ہندی، گجری اور دکنی ناموں سے پہچانی جاتی تھی۔ شمالی ہند میں مختلف بولیوں اور لسانی عناصر کے امتزاج سے جو زبان وجود میں آئی، وہ مسلمانوں، صوفیوں، علماء اور عوام کے باہمی میل جول کے نتیجے میں بتدریج ترقی کرتی رہی۔ یہی زبان بعد میں اردو کہلائی۔ شمالی ہند کے قدیم ادبی نمونوں میں صوفی شعراء کا کلام، دوہے، گیت اور مختلف شعری اصناف شامل ہیں جن سے ہندوستانی تہذیب اور ثقافت کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اردو زبان کی ترقی میں دکن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ محمد بن تغلق کے دور میں جب دارالحکومت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا گیا تو بڑی تعداد میں اہلِ علم، صوفیا، ادبا اور عام لوگ دکن پہنچے۔ ان کے ذریعے شمالی ہند کی زبان دکن میں پہنچی اور وہاں کے مقامی لسانی و تہذیبی اثرات قبول کرتی ہوئی ایک مستقل ادبی زبان کی صورت اختیار کر گئی۔ بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد اردو زبان کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی جس سے اس کی ترقی کی نئی راہیں کھلیں۔ بہمنی دور میں صوفیائے کرام نے اردو زبان میں مذہبی، اخلاقی اور تصوف سے متعلق تصانیف پیش کیں جنہوں نے اردو نثر و نظم کی بنیادیں مضبوط کیں۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں نے اردو زبان و ادب کی غیر معمولی سرپرستی کی۔ اس دور میں مثنوی نگاری کو خاص فروغ حاصل ہوا اور نصرتی، ہاشمی، رستمی، غواصی، ابن نشاطی اور ملا وجہی جیسے عظیم شعراء اور ادبا نے اردو ادب کو گراں قدر سرمایہ عطا کیا۔ دکنی ادب نے اردو زبان کے ذخیرہ الفاظ، اسلوبِ بیان اور ادبی روایت کو وسعت بخشی اور اردو کو ایک مکمل ادبی زبان بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اردو ادب میں ہندوستانی تہذیب، تمدن، رسوم و رواج، فلسفہ، اساطیر اور معاشرت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ گیت نگاری، نظم نگاری، دوہا نگاری اور دیگر اصنافِ سخن میں ہندوستانی رنگ نمایاں ہے۔ نظیر اکبرآبادی، حالی، اقبال، فراق گورکھپوری اور دیگر شعراء نے اپنی شاعری میں ہندوستانی زندگی، ثقافت اور سماجی اقدار کو پیش کیا۔ اسی طرح جدید شعراء نے بھی ہندوستانی علامات، تشبیہات اور استعاروں کے ذریعے اپنی دھرتی سے گہرا تعلق ظاہر کیا ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان و ادب کا ارتقاء ایک طویل تاریخی عمل کا نتیجہ ہے جس میں شمالی اور جنوبی ہند دونوں نے یکساں اہم کردار ادا کیا۔ شمالی ہند نے اردو کو ابتدائی لسانی بنیادیں فراہم کیں جبکہ دکن نے اس کی ادبی نشو و نما، ترویج اور استحکام میں نمایاں حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو آج ایک ہمہ گیر، ترقی یافتہ اور تہذیبی اعتبار سے مالا مال زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔

10.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی
اساطیر	قدیم دیومالائی روایات
تلمیحات	اشاراتی حوالہ جات
استعارات	مجازی اظہار
تشبیہات	موازنہ پر مبنی بیان
فروغ	ترقی
اشاعت	پھیلاؤ
سرپرستی	حمایت
زیرِ نگیں	زیرِ اقتدار
ریشہ دوانیاں	خفیہ سازشیں
زوال پذیر	تنزل کی طرف جانے والا
توسیع	پھیلاؤ
تصنیف	کتاب کی تالیف
تالیف	تحریر و تدوین
صوفیا	اہلِ تصوف
نشوونما	ترقی و پرورش
معتقدین	عقیدت مند
خودمختار	آزاد

لائحہ عمل	طریقہ کار
قلمرو	حکومتی حدود
قادرالکلام	بہترین شاعرانہ صلاحیت رکھنے والا

10.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔ اُردو زبان کے ارتقاء میں جنوبی ہند اور شمالی ہند پر مفصل گفتگو کریں؟

2۔ اُردو ادب کے قدیم ترین نمونوں میں شمالی ہندوستان کے بارے میں لکھیں؟

3۔ اُردو ادب کے قدیم ترین نمونوں میں دکنی ادب پر تبصرہ کریں؟

4۔ اُردو میں گیت نگاری کی روایت کے بارے میں نوٹ تحریر کریں؟

5۔ اُردو شاعری میں ایسے اشعار کی نشاندہی کریں جن میں دھرتی کا لمس شامل ہو؟

6۔ بہمنی سلطنت زوال پذیر ہو کر کتنے حصوں میں تقسیم ہوئی تھی؟ وضاحت کیجیے ؟

10.7۔مشقی سوالات:۔

سوال: دکنی اردو کا سب سے بڑا شاعر کسے تسلیم کیا جاتا ہے؟

____

____

سوال: محمد بن تغلق نے اپنا پایہ تخت کس شہر میں منتقل کیا تھا؟

____

____

10.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

جواب: نصرتی کو دکنی اردو کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔

جواب: محمد بن تغلق نے اپنا پایہ تخت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تھا۔

(جوابات سرگرمی: ۱۔ گولکنڈہ، ۲۔ شاعر، ۳۔ تخلص، ۴۔ طبع آزمائی۔)

10.9۔ امدادی کتب:۔

زبان اور علمِ زبان — از پروفیسر عبدالقادر سروری

مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو — از پروفیسر مسعود حسین خاں

اردو کی لسانی تشکیل — از ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ

سبق نمبر۱۱:۔اُردوزبان کے فروغ میں ادبی تحریکات ور رجحانات کی خدمات

ساخت

11.0۔ اغراض ومقاصد

11.1۔ تعارف

11.2۔ اردوزبان میں ادبی تحریکات ورجحانات کی اہمیت:۔

11.3۔ اُردوزبان کے فروغ میں ادبی تحریکات ور رجحانات کی خدمات

سرگرمی (آؤاپنی معلومات جانچیں)

11.4۔ عمومی جائزہ

11.5۔ فرہنگ

11.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

11.7۔ مشقی سوالات

11.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

11.9۔ امدادی کتب

11.0۔اغراض ومقاصد

اس سبق میں آپ:۔

ادبی تحریک کے مفہوم سے واقف ہوجائیں گے۔ادبی رجحان کے معنی اوراہمیت کو جان جائیں گے۔ادبی تحریک اورادبی رجحان کے

درمیان فرق سمجھ جائیں گے۔اردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات کے کردار سے آگاہ ہو جائیں گے۔علی گڑھ تحریک کی خدمات سے واقف ہو جائیں گے۔اصلاحی تحریک کے اثرات کو جان جائیں گے۔تحریکِ آزادی اور اردو زبان کے تعلق کو سمجھ جائیں گے۔مختلف ادبی رجحانات کی اہمیت سے واقف ہو جائیں گے۔اردو زبان وادب کی ترقی میں فکری تبدیلیوں کا شعور حاصل کرلیں گے۔اردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی مجموعی خدمات کو جان جائیں گے۔

11.1 تعارف

ہر زبان کی ترقی اور فروغ میں سماجی، سیاسی، تہذیبی اور ادبی عوامل اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اردو زبان بھی ایک ایسی زبان ہے جس نے صدیوں کے سفر میں مختلف ادوار اور حالات سے گزر کر اپنی موجودہ شکل اختیار کی ہے۔اردو زبان کی ترقی میں جہاں اہلِ زبان، شعراء، ادبا اور ناقدین کی خدمات شامل ہیں، وہیں مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات نے بھی اس زبان کو وسعت، استحکام اور دوام بخشا ہے۔ادبی تحریکات دراصل کسی خاص مقصد، نظریے یا فکر کے تحت وجود میں آتی ہیں جبکہ رجحانات کسی مخصوص دور کے فکری، فنی یا سماجی میلانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔یہ دونوں عناصر ادب کو نئی سمتیں عطا کرتے ہیں اور زبان کو نئے موضوعات، نئے اسالیب اور نئے اظہار سے روشناس کراتے ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں کئی ایسی تحریکات اور رجحانات پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف اردو ادب کو نئی جہتیں عطا کیں بلکہ اردو زبان کو بھی علمی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے مضبوط بنایا۔علی گڑھ تحریک، اصلاحی تحریک، ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور تانیثی رجحان وغیرہ اس سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ان تحریکات اور رجحانات کے نتیجے میں اردو زبان میں نئے موضوعات داخل ہوئے، نثر اور شاعری کے اسالیب میں تبدیلیاں آئیں، زبان کے دائرہ اظہار میں وسعت پیدا ہوئی اور اردو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتی چلی گئی۔یہی وجہ ہے کہ آج اردو زبان دنیا کی بڑی اور مؤثر زبانوں میں شمار کی جاتی ہے۔

11.2۔اردو زبان میں ادبی تحریکات و رجحانات کی اہمیت:۔

اردو زبان کی ترقی اور فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔یہ تحریکات اور رجحانات اپنے اپنے عہد کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور فکری حالات کا مظہر ہوتے ہیں۔ان کے ذریعے اردو زبان کو نئے موضوعات، نئے اسالیبِ اظہار، نئی لفظیات اور نئی فکری جہات میسر آئیں۔یہی تحریکات اردو زبان کو محض جذباتی اظہار کی زبان سے نکال کر علمی، ادبی، تنقیدی اور تحقیقی زبان بنانے میں معاون

ثابت ہوئیں۔

اردو ادب کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جب بھی معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی رونما ہوئی تو اس کے اثرات ادب اور زبان پر بھی مرتب ہوئے۔ ادیبوں اور شاعروں نے ان تبدیلیوں کو اپنے افکار و خیالات کا حصہ بنایا اور ادب کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ اس عمل نے اردو زبان کے دائرہ اظہار کو وسیع کیا اور اسے عصری مسائل و تقاضوں سے جوڑا۔ ادبی تحریکات نے اردو زبان میں مقصدیت، حقیقت نگاری، سماجی شعور اور اصلاحی فکر کو فروغ دیا جبکہ مختلف ادبی رجحانات نے اردو ادب میں فکری تنوع، فنی تجربات اور جدید اسالیبِ اظہار کو رواج دیا۔ ان تحریکات اور رجحانات کی بدولت اردو زبان میں نثر اور شاعری کے نئے امکانات پیدا ہوئے اور زبان علمی و ادبی اعتبار سے زیادہ مضبوط ہوئی۔ اردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی خدمات کو کئی زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے نتیجے میں اردو زبان میں جدید علوم کا اظہار ممکن ہوا، تنقیدی شعور پروان چڑھا، قومی و سماجی مسائل ادب کا حصہ بنے، خواتین کے مسائل اور حقوق پر گفتگو کا آغاز ہوا اور عالمی ادبی نظریات اردو ادب میں داخل ہوئے۔ اس طرح اردو زبان ہر دور میں نئے فکری تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالتی رہی۔

زبان کی علمی اور ادبی توسیع

مختلف ادبی تحریکات نے اردو زبان کو صرف شاعری تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ اسے تحقیق، تنقید، صحافت، تعلیم اور جدید علوم کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اس عمل سے اردو زبان کی علمی حیثیت مضبوط ہوئی اور اس کے دائرہ استعمال میں اضافہ ہوا۔

نئے موضوعات اور نئے اسالیب کا فروغ

ادبی تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب میں ایسے موضوعات متعارف کرائے جو اس سے پہلے کم توجہ حاصل کرتے تھے۔ سماجی مسائل، قومی شعور، عورت کے حقوق، طبقاتی کشمکش، وجودی فکر، انفرادی مسائل اور ثقافتی تنوع جیسے موضوعات اردو ادب کا حصہ بنے۔

اردو زبان کی عصری معنویت

ادبی تحریکات اور رجحانات نے اردو زبان کو ہر دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھا۔ جدید ذرائع ابلاغ، سائنسی ترقی اور عالمی فکری تبدیلیوں کے اثرات کو اردو زبان میں منتقل کرنے میں بھی ان تحریکات اور رجحانات نے اہم کردار ادا کیا۔

11.3 اردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات خدمات:۔

علی گڑھ تحریک

1857ء کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی حالت نہایت پست ہو چکی تھی۔ ایسے حالات میں سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی تعلیمی اور فکری اصلاح کے لیے علی گڑھ تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں جدید تعلیم کا فروغ اور نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔ علی گڑھ تحریک نے اردو زبان کی ترقی میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقا نے اردو زبان کو جدید علوم اور سائنسی افکار کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس تحریک کے نتیجے میں اردو نثر کو نئی سمت ملی اور سادہ، بامقصد اور عام فہم اسلوب کو فروغ حاصل ہوا۔ علی گڑھ تحریک نے اردو صحافت، تحقیق اور تنقید کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ مختلف رسائل اور جرائد کے ذریعے اردو زبان میں علمی مضامین شائع ہونے لگے جس سے اردو زبان کے علمی ذخیرے میں اضافہ ہوا۔ اس تحریک کی بدولت اردو زبان جدید تعلیم اور علمی مباحث کی زبان کے طور پر مستحکم ہوئی۔ اردو زبان کے فروغ میں علی گڑھ تحریک کی خدمات

- اردو نثر کو سادگی اور روانی عطا کی۔
- جدید علوم کو اردو زبان کے ذریعے عام کیا۔
- اردو صحافت کے فروغ میں کردار ادا کیا۔
- تعلیمی اور تحقیقی ادب کو فروغ دیا۔
- اردو کو علمی اور فکری اظہار کی زبان بنایا۔

اصلاحی تحریک

اصلاحی تحریک اردو ادب کی ان تحریکوں میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے ادب کو سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ اس تحریک کے نمایاں نمائندوں میں مولانا الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی شامل ہیں۔ اصلاحی تحریک کے زیر اثر ادب کو محض تفریح کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے اسے اصلاحِ معاشرہ کا موثر وسیلہ تصور کیا گیا۔ ادیبوں نے معاشرتی برائیوں، جہالت، اخلاقی زوال اور فرسودہ رسوم و رواج کے خلاف قلم اٹھایا۔ اس تحریک نے اردو زبان کو ایک نئی مقصدیت عطا کی۔ زبان میں سادگی، روانی اور حقیقت نگاری کو فروغ ملا۔ شاعری اور نثر دونوں میں عملی زندگی کے

مسائل کوموضوع بنایا گیا جس سے اردو زبان عوام کے زیادہ قریب آئی۔اردو زبان کے فروغ میں اصلاحی تحریک کی خدمات:۔

- ادب میں مقصدیت پیدا کی۔
- سادہ اور عام فہم زبان کو فروغ دیا۔
- سماجی شعور بیدار کیا۔
- حقیقت نگاری اور اصلاحِ معاشرہ کے رجحان کو فروغ دیا۔
- اردو نثر کو استحکام بخشا۔

تحریکِ آزادی

برصغیر کی آزادی کی جدوجہد میں اردو زبان نے ایک موثر کردار ادا کیا۔تحریکِ آزادی کے دوران اردو زبان عوامی بیداری، قومی شعور اور آزادی کے جذبات کے اظہار کا اہم ذریعہ بنی۔اس دور کے شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے آزادی کی جدوجہد کو تقویت بخشی۔قومی شاعری، انقلابی مضامین اور سیاسی تحریروں نے عوام میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔اردو اخبارات اور رسائل نے بھی تحریکِ آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔تحریکِ آزادی کے نتیجے میں اردو زبان قومی احساسات اور عوامی جذبات کی ترجمان بن کر ابھری۔اس دور میں اردو زبان کے استعمال میں اضافہ ہوا اور اس کی عوامی مقبولیت مزید مستحکم ہوئی۔اردو زبان کے فروغ میں تحریکِ آزادی کی خدمات:۔

- قومی شعور کو فروغ دیا۔
- اردو صحافت کو وسعت دی۔
- عوامی بیداری میں کردار ادا کیا۔
- اردو زبان کو سیاسی اور سماجی اظہار کا ذریعہ بنایا۔
- قومی یکجہتی کے فروغ میں معاون ثابت ہوئی۔

ترقی پسند تحریک

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی تاریخ کی سب سے موثر اور ہمہ گیر ادبی تحریکوں میں شمار کی جاتی ہے۔بیسویں صدی کے تیسرے عشرے

میں جب دنیا سیاسی، معاشی اور سماجی تبدیلیوں سے گزر رہی تھی تو ادب میں بھی ایک نئی بیداری پیدا ہوئی۔اس تحریک کا باقاعدہ آغاز 1936ء میں ہوا۔اس کے زیر اثر ادب کو زندگی اور معاشرے کے حقیقی مسائل سے جوڑنے کی کوشش کی گئی۔ترقی پسند ادیبوں کا خیال تھا کہ ادب کو انسانوں کے دکھ درد، معاشرتی ناانصافی، غربت، استحصال اور سیاسی غلامی کی عکاسی کرنی چاہیے۔اس تحریک نے اردو زبان کو نئی وسعت عطا کی۔اردو ادب میں پہلی مرتبہ عام آدمی کے مسائل اس شدت کے ساتھ موضوع بنے۔کسان، مزدور، محروم طبقات، خواتین اور معاشرے کے پسے ہوئے افراد ادب کا حصہ بنے۔اس تحریک نے اردو زبان کو عوامی زندگی سے قریب کیا اور اسے سماجی شعور کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ترقی پسند ادیبوں نے زبان کو مصنوعی پیچیدگیوں سے نکال کر عام فہم اور موثر انداز عطا کیا۔اس تحریک کے نتیجے میں اردو نثر، افسانہ، ناول اور شاعری میں نئے موضوعات شامل ہوئے اور اردو زبان کا دائرہ اظہار مزید وسیع ہوا۔اردو زبان کے فروغ میں ترقی پسند تحریک کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ اس نے اردو کو عوامی مسائل کے اظہار کی زبان بنا دیا۔اس تحریک کے اثرات صرف ادب تک محدود نہ رہے بلکہ صحافت، تنقید اور فکری مباحث تک بھی پھیل گئے۔یوں اردو زبان ایک زندہ اور متحرک زبان کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔

حلقہ اربابِ ذوق:۔

ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ حلقہ اربابِ ذوق بھی اردو ادب کی ایک اہم ادبی تحریک کے طور پر سامنے آیا۔اس کا قیام 1939ء میں عمل میں آیا۔اس تحریک کا بنیادی مقصد ادب کی فنی اور جمالیاتی اقدار کو فروغ دینا تھا۔حلقہ اربابِ ذوق کے ادیبوں اور شاعروں نے ادب کو سیاسی یا نظریاتی پابندیوں سے آزاد رکھنے کی کوشش کی۔اس تحریک نے اردو ادب میں تخلیقی آزادی، انفرادی تجربے اور فنی حسن کو اہمیت دی۔حلقے کے زیر اثر ادیبوں نے زبان کے جمالیاتی پہلوؤں پر توجہ دی اور نئے اسالیبِ اظہار کو فروغ دیا۔اگرچہ حلقہ اربابِ ذوق کا بنیادی زور ادب کی فنی قدروں پر تھا، تاہم اس نے اردو زبان کی فکری اور فنی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔حلقہ اربابِ ذوق نے اردو ادب میں تنقیدی شعور پیدا کیا اور ادب کے معیار کو بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اس تحریک کے نتیجے میں اردو زبان میں فنی لطافت، تخلیقی تنوع اور اسلوبیاتی جدت کو فروغ حاصل ہوا۔

جدیدیت:۔

اردو ادب میں جدیدیت کا رجحان بیسویں صدی کے وسط میں نمایاں ہوا۔جدیدیت دراصل بدلتے ہوئے سماجی، فکری اور تہذیبی

حالات کا ردعمل تھی۔ جدیدیت کے زیر اثر ادیبوں اور شاعروں نے فرد کی داخلی کیفیت، تنہائی، بے معنویت، نفسیاتی الجھنوں اور وجودی مسائل کو موضوع بنایا۔ جدیدیت نے اردو زبان کو نئے فکری اور فنی امکانات سے روشناس کرایا۔ اس رجحان کے نتیجے میں اردو شاعری اور نثر میں علامت، استعارہ، تجرید اور داخلی تجربات کی اہمیت بڑھ گئی۔ جدید ادیبوں نے زبان کو نئے اسلوب اور نئے اظہار سے آراستہ کیا۔ انہوں نے روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات اور جدید زندگی کے پیچیدہ مسائل کو بھی ادب کا حصہ بنایا۔ جدیدیت نے اردو زبان کو عالمی ادبی رجحانات سے ہم آہنگ کیا اور ادب میں تخلیقی تجربات کے دروازے کھولے۔ اس رجحان نے اردو ادب کو فکری گہرائی، فنی تنوع اور اسلوبیاتی وسعت عطا کی جس سے زبان کی ادبی قوت میں اضافہ ہوا۔

مابعد جدیدیت

مابعد جدیدیت اردو ادب میں ایک نسبتاً جدید رجحان ہے جو جدیدیت کے بعد سامنے آیا۔ اس رجحان نے ادب اور زندگی کے بارے میں روایتی تصورات کو نئے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی۔ مابعد جدیدیت میں کسی ایک مطلق سچائی یا نظریے کو تسلیم کرنے کے بجائے مختلف نقطہ ہائے نظر کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس رجحان کے اثرات سے اردو زبان میں نئے مباحث، نئی تعبیرات اور نئے تنقیدی زاویے پیدا ہوئے۔ مابعد جدید ادیبوں نے ثقافتی تنوع، شناخت، حاشیائی طبقات اور مختلف سماجی مسائل کو ادب کا حصہ بنایا۔ اس رجحان نے اردو ادب کے فکری دائرے کو مزید وسیع کیا اور نئی نسل کے ادیبوں کو اظہار کے نئے امکانات فراہم کیے۔ مابعد جدیدیت کے زیر اثر اردو زبان میں تنوع، کثرتیت اور فکری وسعت پیدا ہوئی جس سے زبان جدید فکری مباحث کے اظہار کے قابل ہوئی۔

تانیثی تصور:۔

اردو ادب میں تانیثی رجحان بیسویں صدی کے آخری نصف میں زیادہ نمایاں صورت میں سامنے آیا۔ اس رجحان کا بنیادی مقصد عورت کے مسائل، احساسات، تجربات اور معاشرتی حیثیت کو ادب میں مناسب جگہ دلانا تھا۔ تانیثی رجحان نے عورت کو محض ادب کا موضوع بنانے کے بجائے اسے ایک باشعور اور فعال فرد کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس رجحان کے زیر اثر اردو ادب میں خواتین کی زندگی، ان کے سماجی مسائل، معاشرتی پابندیوں، تعلیمی محرومیوں اور انفرادی شناخت کے موضوعات کو اہمیت حاصل ہوئی۔ خواتین ادیباؤں اور شاعرات نے اپنی تخلیقات کے ذریعے عورت کے باطن، اس کی خواہشات، خوابوں اور جدوجہد کو بیان کیا۔ اس رجحان نے اردو زبان کو نئے تجربات، نئے احساسات اور نئے

موضوعات سے روشناس کرایا۔ تانیثی رجحان کی بدولت اردو زبان کے دائرہ اظہار میں اضافہ ہوا اور ایسے موضوعات ادب کا حصہ بنے جو پہلے نسبتاً کم توجہ حاصل کرتے تھے۔ اس رجحان نے اردو ادب میں فکری تنوع پیدا کیا اور زبان کو سماج کے ایک اہم طبقے کے تجربات سے آشنا کیا۔

علاقائی وثقافتی رجحانات:۔

اردو زبان کے فروغ میں علاقائی اور ثقافتی رجحانات نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں، ثقافتوں اور تہذیبی روایات نے اردو ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ مختلف خطوں کے ادیبوں نے اپنے اپنے علاقوں کے رسم و رواج، رہن سہن، ثقافتی اقدار اور سماجی مسائل کو اردو ادب میں جگہ دی۔ ان رجحانات کے نتیجے میں اردو زبان میں لسانی اور ثقافتی تنوع پیدا ہوا۔ کشمیر، پنجاب، دکن، اتر پردیش، بہار اور دیگر علاقوں کے ادیبوں نے اپنی مقامی فضا اور تہذیبی خصوصیات کو اردو ادب میں سمو کر اس کے دائرے کو وسیع کیا۔ اس عمل سے اردو زبان مزید ہمہ گیر اور ہمہ رنگ بنی۔ علاقائی اور ثقافتی رجحانات نے اردو زبان کو مختلف تہذیبی رنگوں سے آشنا کیا اور اسے پورے برصغیر کی مشترکہ تہذیب وثقافت کی نمائندہ زبان بنانے میں مدد دی۔

جدید ذرائع ابلاغ اور اردو:۔

موجودہ دور میں جدید ذرائع ابلاغ اردو زبان کے فروغ کا ایک اہم وسیلہ بن چکے ہیں۔ اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے اردو زبان کے دائرہ اثر کو غیر معمولی حد تک وسیع کیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے اردو زبان کو عالمی سطح پر متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ڈیجیٹل دور میں اردو زبان نئی نسل تک پہنچ رہی ہے۔ ویب سائٹس، آن لائن رسائل، الیکٹرانک کتابیں، بلاگز اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اردو زبان کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ یونی کوڈ ٹیکنالوجی کی بدولت اردو رسم الخط کا استعمال آسان ہوا ہے اور اردو زبان دنیا بھر میں موجود قارئین تک با آسانی پہنچ رہی ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ نے اردو زبان کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور اسے نئی نسل کی ضروریات کے مطابق ترقی کے مواقع فراہم کیے۔ یوں اردو زبان نہ صرف اپنی ادبی روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہے بلکہ جدید دنیا میں بھی اپنی اہمیت منوا رہی ہے۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''اردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات و رجحانات کی خدمات'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 11.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ ۔۔۔۔۔۔ بھی اردو ادب کی ایک اہم ادبی تحریک کے طور پر سامنے آیا۔ اس کا قیام ۔۔۔۔۔ میں عمل میں آیا۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد ادب کی فنی اور جمالیاتی اقدار کو فروغ دینا تھا۔ حلقہ اربابِ ذوق کے ادیبوں اور شاعروں نے ادب کو سیاسی یا نظریاتی پابندیوں سے آزاد رکھنے کی کوشش کی۔

اس ۔۔۔۔۔ نے اردو ادب میں تخلیقی آزادی، انفرادی تجربے اور فنی حسن کو اہمیت دی۔ حلقے کے زیر اثر ادیبوں نے زبان کے جمالیاتی پہلوؤں پر توجہ دی اور ۔۔۔۔۔۔۔ اظہار کو فروغ دیا۔ اگرچہ حلقہ اربابِ ذوق کا بنیادی زور ادب کی فنی قدروں پر تھا، تاہم اس نے اردو زبان کی فکری اور فنی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

11.4 عمومی جائزہ:۔

اردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات نے ہر دور میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ علی گڑھ تحریک نے اردو زبان کو جدید تعلیم اور سائنسی شعور سے وابستہ کیا۔ اصلاحی تحریک نے ادب میں مقصدیت، حقیقت نگاری اور اخلاقی شعور پیدا کیا۔ تحریکِ آزادی نے اردو زبان کو قومی بیداری اور آزادی کے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ترقی پسند تحریک نے ادب کو عوامی مسائل سے جوڑا جبکہ حلقہ اربابِ ذوق نے ادب کی جمالیاتی اور فنی اقدار کو فروغ دیا۔ اسی طرح جدیدیت نے اردو ادب کو نئے فکری اور فنی امکانات سے روشناس کرایا جبکہ مابعد جدیدیت نے ادب میں تنوع اور نئے تنقیدی زاویوں کو فروغ دیا۔ تانیثی رجحان نے خواتین کے مسائل اور تجربات کو ادب کا حصہ بنایا اور علاقائی و ثقافتی رجحانات نے اردو زبان کو تہذیبی رنگارنگی عطا کی۔ جدید ذرائع ابلاغ نے اردو زبان کو عالمی سطح پر متعارف کرانے اور نئی نسل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ان تمام تحریکات اور رجحانات کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجے میں اردو زبان ایک ہمہ گیر، ترقی پذیر اور موثر زبان کے طور پر سامنے آئی ہے۔

اردو ادب کی تاریخ دراصل ان تحریکات اور رجحانات کی تاریخ بھی ہے جنہوں نے زبان کو فکری وسعت، ادبی گہرائی اور اظہار کی نئی جہات عطا کیں۔

11.5 فرہنگ:۔

الفاظ	معنی
تحریک	کسی مقصد کے تحت چلائی جانے والی منظّم کوشش
رجحان	فکری یا فنی میلان
فروغ	ترقی، ترویج
اصلاح	بہتری، سدھار
شعور	آگہی، بیداری
استحصال	ناجائز فائدہ اٹھانا
حقیقت نگاری	زندگی کو حقیقی انداز میں پیش کرنا
جمالیات	حسن اور خوب صورتی سے متعلق نظریات
انفرادیت	شخصیت اور ذات کی اہمیت
وجودیت	انسانی وجود سے متعلق فلسفہ
تنوع	رنگارنگی، مختلف النوع ہونا
تہذیب	معاشرتی وثقافتی اقدار
ثقافت	کسی قوم کے رسوم و رواج اور طرزِ زندگی
مابعد جدیدیت	جدیدیت کے بعد کا فکری رجحان

تانیثیت	خواتین کے حقوق اور مسائل سے متعلق فکری رجحان
ذرائع ابلاغ	اطلاعات کی ترسیل کے وسائل
تنقید	ادبی جائزہ اور تجزیہ
عصری	موجودہ دور سے متعلق
فکری	سوچ اور نظریے سے متعلق
ادبی	ادب سے متعلق

11.6 نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔ اردو زبان کے فروغ میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے واضح کیجیے کہ ان تحریکات نے اردو زبان و ادب کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟

2۔ علی گڑھ تحریک، اصلاحی تحریک اور تحریکِ آزادی کی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے اردو زبان کی ترقی میں ان کی اہمیت پر روشنی ڈالیے؟

3۔ ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کے مقاصد، خصوصیات اور اردو زبان و ادب پر ان کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے؟

4۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے فکری و فنی رجحانات کو بیان کرتے ہوئے اردو زبان اور ادب پر ان کے اثرات واضح کیجیے؟

5۔ تانیثی رجحان، علاقائی و ثقافتی رجحانات اور جدید ذرائع ابلاغ کے اردو زبان کے فروغ میں کردار کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے؟

11.7 مشقی سوالات:۔

1۔اردو زبان کے فروغ میں علی گڑھ تحریک کی خدمات بیان کیجیے؟

2۔ترقی پسند تحریک نے اردو زبان اور ادب کو کس طرح متاثر کیا؟

3۔ جدید ذرائع ابلاغ اردو زبان کے فروغ میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

11.8 مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

ا۔ علی گڑھ تحریک نے اردو زبان کو جدید تعلیم، سائنسی شعور اور علمی مباحث سے وابستہ کیا۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقا نے اردو نثر کو فروغ دیا اور اردو زبان کو جدید علوم کے اظہار کا مؤثر ذریعہ بنایا۔ اس تحریک کے نتیجے میں اردو زبان کی علمی اور ادبی حیثیت مضبوط ہوئی۔

۲۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو عوامی زندگی اور سماجی مسائل سے جوڑا۔ اس تحریک کے زیر اثر غربت، استحصال، طبقاتی کشمکش اور انسانی مساوات جیسے موضوعات ادب کا حصہ بنے۔ اس طرح اردو زبان کے دائر؟ اظہار میں وسعت پیدا ہوئی اور وہ عوامی شعور کی نمائندہ زبان بن گئی۔

۳۔ جدید ذرائع ابلاغ نے اردو زبان کو عالمی سطح پر متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے اردو زبان کا دائرہ اثر وسیع ہوا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے اردو زبان کو نئی نسل تک پہنچانے اور اس کے فروغ کے نئے امکانات پیدا کیے ہیں۔

(جوابات سرگرمی: ا۔ حلقہ ارباب ذوق، ۲۔ 1939ء، ۳۔ تحریک، ۴۔ نئے اسالیب۔)

11.9 امدادی کتب:۔

1۔ تاریخِ ادبِ اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی
2۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
3۔ اردو ادب کی تحریکیں	ڈاکٹر انور سدید

4۔جدید اردو ادب	ڈاکٹر وزیر آغا
5۔اردو تنقید کی تاریخ	ڈاکٹر عبادت بریلوی
6۔اردو ادب میں جدیدیت	شمس الرحمٰن فاروقی
7۔اردو ادب کے فکری رجحانات	آل احمد سرور
8۔ترقی پسند تحریک اور اردو ادب	ڈاکٹر سید عبداللہ
9۔اردو ادب کی تاریخ	رام بابو سکسینہ
10۔مقدمہ شعر و شاعری	مولانا الطاف حسین حالی

سبق نمبر۱۲:۔اردواور برج بھاشا(محمد حسین آزاد کا نظریہ)

ساخت

12.0۔اغراض ومقاصد

12.1 ۔تعارف

12.2 ۔اردوزبان کی ابتداء کے مختلف نظریات

12.3۔اردواور برج بھاشا(محمد حسین آزاد کا نظریہ)

سرگرمی(آؤاپنی معلومات جانچیں)

12.4۔عمومی جائزہ

12.5۔فرہنگ

12.6۔نمونہ امتحانی سوالات

12.7۔مشقی سوالات

12.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

12.9۔امدادی کتب

12.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

مولانا محمد حسین آزاد کے نظریہ اردوو برج بھاشا سے واقف ہوں گے۔اردوزبان کی ابتدا کے متعلق پیش کیے گئے اہم نظریات کو جانیں

گے۔آبِ حیات میں بیان کردہ اردو کے ماخذ کے تصور کو سمجھیں گے۔اردو اور برج بھاشا کے باہمی تعلق کا مطالعہ کریں گے۔مولانا شیرانی، پروفیسر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کی آرا سے آگاہ ہوں گے۔اردو اور برج بھاشا کے بنیادی لسانی اختلافات کو جانیں گے۔اردو اور برج بھاشا کے درمیان مشابہتوں اور امتیازات کو سمجھیں گے۔مغربی ہندی اور اس کی اہم بولیوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔اردو زبان کی ساخت، قواعد اور لسانی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔اردو زبان کی آزاد اور مستقل حیثیت کو سمجھیں گے۔اردو لسانیات میں اس نظریے کی اہمیت اور اس پر ہونے والی علمی بحثوں سے آگاہ ہوں گے۔اردو زبان کی ابتدا کے مسئلے پر مختلف محققین کے دلائل کا جائزہ لیں گے۔

12.1 ۔تعارف:۔

محمد حسین آزاد کے مطابق اردو زبان کی تشکیل میں برج بھاشا کا نہایت اہم کردار رہا ہے۔ان کا خیال تھا کہ جب شمالی ہند میں مختلف قومیں، خصوصاً مسلمانوں اور مقامی باشندوں کا باہمی میل جول بڑھا تو برج بھاشا، کھڑی بولی، فارسی، عربی اور ترکی کے الفاظ باہم مل کر ایک نئی زبان کی بنیاد بنے، جو آگے چل کر اردو کہلائی۔آزاد کے نزدیک اردو کسی ایک زبان کی پیداوار نہیں بلکہ مختلف زبانوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے، تاہم انہوں نے برج بھاشا کو اردو کی ابتدائی تشکیل میں نمایاں مقام دیا۔اگرچہ بعد کے ماہرینِ لسانیات نے اس نظریے پر بعض اعتراضات بھی کیے، لیکن اردو کی ابتدا کے نظریات میں محمد حسین آزاد کا یہ نظریہ تاریخی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔

12.2۔اردو زبان کی ابتداء کے مختلف نظریات:۔

اردو زبان کے ماخذ اور اس کی ابتدا کے بارے میں مختلف ادوار میں متعدد اہلِ علم نے اظہارِ خیال کیا ہے۔اردو زبان و ادب کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے محققین نے اپنے اپنے انداز میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔اس سلسلے میں میر امن دہلوی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔انہوں نے باغ و بہار کے دیباچے میں اردو کی ابتداء عہدِ اکبری سے منسوب کرتے ہوئے اسے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی میل جول کا نتیجہ قرار دیا ہے۔سرسید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں اردو کی ابتدا شاہجہاں کے دور اور شاہجہان آباد سے وابستہ کی ہے۔ان کے نزدیک فارسی اور مقامی زبانوں کے اختلاط سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جسے بعد میں اردو کا نام دیا گیا۔وہ اردو کو ایک مخلوط زبان تصور کرتے ہیں۔

محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں لسانی اور تاریخی دلائل کی بنیاد پر اردو کو برج بھاشا سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق اردو مسلمانوں اور ہندوؤں کے نسلی، معاشرتی، سیاسی اور سماجی اختلاط کا فطری نتیجہ ہے۔ بیسویں صدی میں اردو کی ابتداء اور ارتقا کے حوالے سے اہم تحقیقی کام کرنے والوں میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ اور پروفیسر نصیر احمد خان نمایاں ہیں۔ پروفیسر نصیر احمد خان اپنی کتاب اردو ساخت کے بنیادی عناصر میں لکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے نصفِ اول میں تاریخی اور لسانی شواہد کی بنیاد پر اردو کی ابتداء کے متعلق مختلف نظریات سامنے آئے جن میں حقیقت تک پہنچنے کی سنجیدہ کوشش کی گئی۔ اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنے والے دیگر اہم اہلِ علم میں انشاء اللہ خاں انشا، شیر علی خاں سرخوش، امام بخش صہبائی، مولوی عبدالحق، نصیر الدین ہاشمی، سید سلیمان ندوی، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی اور عبدالقادر سروری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

انشاء اللہ خاں انشا نے دریائے لطافت میں اردو کو مختلف زبانوں کے امتزاج سے وجود میں آنے والی زبان قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق عربی، فارسی، ترکی، پنجابی، پوربی اور برج وغیرہ کے عناصر اردو کی تشکیل میں شامل ہیں۔ شیر علی خاں سرخوش نے تذکرہ ''اعجازِ سخن'' میں اردو کی پیدائش پنجاب میں غزنوی دور سے منسوب کی ہے۔ ان کے خیال میں اردو اور پنجابی ایک ہی مخلوط زبان سے وجود میں آئی ہیں جس کی تشکیل ترکی، فارسی، عربی اور مقامی پراکرت زبانوں کے اختلاط سے ہوئی۔ میر امن دہلوی کے مطابق اکبر بادشاہ کے دور میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے لوگوں کی مختلف بولیوں کے باہمی رابطے کے نتیجے میں ایک مشترک زبان وجود میں آئی جو بعد میں اردو کہلائی۔ امام بخش صہبائی نے رسالہ قواعدِ اردو میں لکھا ہے کہ شاہجہان آباد میں فارسی اور ہندی کے باہمی امتزاج سے جو بولی رائج ہوئی، اسی کا نام اردو پڑا۔ محمد حسین آزاد کا کہنا ہے کہ اردو زبان کی جڑیں برج بھاشا میں پیوست ہیں اور اس کی نشوونما مختلف تہذیبی اور سماجی عناصر کے ملاپ سے ہوئی۔

مولوی عبدالحق کے نزدیک صوفیائے کرام نے اردو کی ابتدائی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کیا۔ انہوں نے تبلیغِ دین اور عوام سے رابطے کے لیے مقامی زبانوں اور فارسی کے عناصر کو یکجا کیا، جس کے نتیجے میں ایک نئی زبان وجود میں آئی جو نہ خالص ہندی تھی اور نہ فارسی، بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے آج اردو یا ہندوستانی کہا جاتا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی اردو کا مولد دکن کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق عرب تاجر صدیوں سے مالابار کے ساحلوں پر آتے رہے اور اپنے ساتھ عربی زبان کے بہت سے الفاظ بھی لائے۔ بعد ازاں مقامی باشندوں اور مسلم حکمرانوں کے اختلاط سے ایک نئی زبان نے جنم لیا۔ بہمنی، قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کی سرپرستی میں یہ زبان ادبی صورت اختیار کرتی گئی۔ سید سلیمان ندوی نے نقوشِ سلیمانی میں اردو کی ابتدا سندھ سے وابستہ کی ہے۔ ان کے مطابق مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے اور یہیں مقامی آبادی

کے ساتھ اختلاط کے نتیجے میں ایک نئی زبان کی بنیاد پڑی، جو بعد میں اردو کی صورت میں سامنے آئی۔

پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی کے نزدیک اردو پنجاب میں پیدا ہوئی اور بعد میں دہلی اور دیگر علاقوں میں فروغ پاتی رہی۔ان کے مطابق اردو عربی، فارسی، ترکی اور مقامی زبانوں کے باہمی اختلاط کا نتیجہ ہے، جبکہ اس کا ابتدائی مرکز لاہور تھا۔عبدالقادر سروری نے ''زبان اور علمِ زبان'' میں ملتان، سندھ اور پنجاب کے علاقے کو اردو کا اصل وطن قرار دیا ہے۔ان کے مطابق اردو عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور مقامی باشندوں کے لسانی اختلاط سے وجود میں آنے والی ایک مخلوط زبان ہے۔ان مختلف آرا سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں اہلِ علم میں مکمل اتفاقِ رائے موجود نہیں، تاہم اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ اردو مختلف زبانوں اور تہذیبوں کے باہمی میل جول اور لسانی اختلاط کے نتیجے میں وجود میں آئی اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے ایک مکمل ادبی زبان بن گئی۔

12.3۔اردو اور برج بھاشا (محمد حسین آزاد کا نظریہ):۔

پروفیسر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

"ہمارے یہاں لسانی تحقیق کے مردِ میدان مولانا محمد حسین آزاد ہیں جنہوں نے سب سے پہلے آبِ حیات میں اردو زبان کی تاریخ کو سلسلہ وار بیان کرنے کی کوشش کی۔آزاد شمالی ہند کی بولیوں کے باریک اختلافات سے واقف نہ تھے، لیکن اُن کا یہ نظریہ ماہرینِ لسانیات کو اردو کے آغاز کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔"

چنانچہ پروفیسر شیرانی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، پروفیسر مسعود حسین خاں اور دیگر ماہرینِ لسانیات نے اُن کے اس نظریے کی تردید کی، تاہم مولانا آزاد کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اہلِ علم اور ماہرینِ لسانیات کو اس مسئلے کی جانب متوجہ کیا۔آج اگرچہ اردو کے آغاز کے متعلق متعدد نظریات پیش کیے جا چکے ہیں اور مولانا آزاد کا نظریہ قطعی طور پر رد کیا جا چکا ہے، پھر بھی اردو لسانیات کی دنیا میں اُن کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔جب بھی اردو کی ابتدا پر بحث ہوگی، مولانا آزاد کے نظریے کا ذکر لازماً کیا جائے گا۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری مولانا آزاد کے اس نظریے کو ایک سنجیدہ نظریہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سنجیدہ نظریے دو ہیں۔اردو برج سے ماخوذ ہے، اسے اردو میں سب سے پہلے مولانا محمد حسین آزاد نے پیش کیا۔"

ڈاکٹر شوکت سبزواری مزید لکھتے ہیں:

"یہ عجیب بات ہے کہ اردو کی ابتداء کے بارے میں اردو میں دو نظریے بلند آہنگی کے ساتھ پیش ہوئے اور دونوں پنجاب سے۔ مولانا آزاد نے فرمایا کہ اردو برج سے نکلی، اس کے مقابلے میں مولانا شیرانی کی آواز آئی کہ اردو پنجابی کی بیٹی ہے۔"

مولانا آزاد کا یہ نظریہ دراصل اُن کے ذہن کی پیداوار نہیں تھا بلکہ اُن سے پہلے ڈاکٹر ہارنلے نے بھی یہی نظریہ پیش کیا تھا، تاہم اہلِ اردو میں اس نظریے کو مقبول بنانے کا سہرا مولانا آزاد کے سر ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد نے آبِ حیات کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

"اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے، لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے پردے پر ہندوستان کے ساتھ ہی آئی ہو۔ اس کی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں ہے اور برج کا سبزہ زار اس کا وطن ہے۔"

مولانا محمد حسین آزاد کو شاید اس وقت یہ احساس نہ تھا کہ اُن کے قلم سے نکلے ہوئے یہ چند جملے انہیں ماہرینِ لسانیات کی صف میں لا کھڑا کریں گے اور اردو لسانیات کی دنیا میں ایک نئی بحث چھیڑ دیں گے۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

"اردو برج سے ماخوذ ہے۔ یہ نظریہ سب سے پہلے ڈاکٹر ایور نکلے نے پیش کیا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اس کی نشر و اشاعت کی۔ مولانا شیرانی مرحوم کی قابلِ قدر کتاب پنجاب میں اردو کی اشاعت سے پہلے یہ نظریہ عام طور پر درست سمجھا جاتا تھا اور ہر شخص جسے اردو زبان سے دلچسپی تھی، اس پر اعتقاد رکھتا تھا۔"

مولانا شیرانی کی کتاب 1928ء میں شائع ہوئی جس میں اس نظریے کو تفصیل اور مضبوط دلائل کے ساتھ رد کر دیا گیا، لیکن مولانا آزاد کے اندازِ بیان اور قلم کے اثر نے اس نظریے کو طویل عرصے تک زندہ رکھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس کے بعد بھی یہی کہتے رہے کہ اردو برج کی بیٹی ہے اور برج کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔ 1938ء کے بعد اردو اور ہندی میں متعدد رسائل، صدارتی خطبے اور تحقیقی مضامین شائع ہوئے جن میں اردو کی ابتدا اور اس کی اصل پر بحث کی گئی۔ بیشتر اہلِ علم نے اردو کی اصل برج بھاشا کو قرار دیا۔ رام چندر شکل کے مطابق ہندی ساہتیہ سمیلن کے صدر نے 1928ء میں یہ اعلان کیا کہ اردو برج کے بطن سے پیدا ہوئی اور مسلمانوں نے اسے سنوارا اور ترقی دی۔ تاہم ایسے اہلِ علم بھی

موجود تھے جو زبانوں کے مزاج اور ان کی تاریخی تبدیلیوں سے واقف تھے۔انہوں نے مولانا آزاد کے اس دعوے کو قبول نہیں کیا۔رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب اردو ادب کی تاریخ (1927ء) میں مولانا آزاد کے نظریے کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

''ہمارے خیال میں برج بھاشا کو اردو کا ماخذ قرار دینا درست نہیں۔ برج بھاشا اگرچہ مغربی ہندی کی ایک شاخ ہے،لیکن اردو کی اصل دراصل دہلی بھاشا ہے، جو پراکرت کی ایک الگ شاخ سے تعلق رکھتی ہے''

ڈاکٹر شوکت سبزواری اردو اور برج کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ اردو برج سے بہت قریب ہے۔ یہ قرب اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں زبانیں اجنبی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی عزیز ہیں،لیکن قریبی رشتہ صرف ماں بیٹی ہی کا نہیں ہوتا، دو بہنوں کا بھی ہوسکتا ہے۔اس لیے محض مشابہت کی بنیاد پر یہ کہنا درست نہیں کہ ایک زبان دوسری سے پیدا ہوئی ہے''

وہ مزید لکھتے ہیں کہ دو زبانوں کے رشتے کا تعین ان کی مشابہتوں سے نہیں بلکہ ان اختلافات سے کیا جاتا ہے جو انہیں ایک دوسرے سے الگ اور مستقل زبان بناتے ہیں۔

دراصل اردو اور برج دونوں کا تعلق شورسینی اپ بھرنش کی عوامی شکل یعنی مغربی ہندی سے ہے، اس لیے ان میں مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔لیکن یہ مشابہتیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ ایک زبان دوسری سے پیدا ہوئی ہے۔

مغربی ہندی کی پانچ بولیاں دو گروہوں میں تقسیم کی جاتی ہیں:

(1) اُویا اُوالی بولیاں : برج بھاشا، قنوجی اور بندیلی

(2) آوالی بولیاں : کھڑی بولی اور ہریانی

برج بھاشا اور کھڑی بولی (اُردو) کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ برج بھاشا میں اسماء، افعال اور صفات کا خاتمہ "او" پر ہوتا ہے، جبکہ اردو میں "آ" پر۔مثلاً:۔گھوڑو: گھوڑا، چلیو :چلا، بڑو : بڑا، اپنو : اپنا

پروفیسر مسعود حسین خاں نے اردو اور برج کے اختلافات کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اردو برج بھاشا سے نہیں نکلی۔ان کے مطابق:

"برج بھاشا شورسینی اپ بھرنش کی سچی جانشین ہے،لیکن وہ کھڑی بولی کی ماں نہیں بلکہ بہن ہے۔"

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے بھی اردو اور برج کے بنیادی لسانی اختلافات بیان کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اردو ایک آزاد اور مستقل زبان ہے۔اور یہ ثابت کیا ہے کہ۔۔۔۔۔۔ ''اردو کا لسانی سرمایہ زیادہ پیچیدہ اور بعض حیثیتوں سے زیادہ قدیم ہے۔وہ برج سے کسی بھی طرح ماخوذ نہیں ہوسکتا۔۔۔''

پروفیسر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے پروفیسر شیرانی کے موقف کی تائید کی جاسکتی ہے کہ

''جب ہم اردو کے ڈول اور اس کی ساخت اور وضع قطع کو دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور ہے اور برج بھاشا کا رنگ اور ہے۔دونوں کے قواعد وضوابط واصول مختلف ہیں۔۔۔۔۔''

''ان میں ماں بیٹی کا رشتہ نہیں ہے بلکہ بہنوں بہنون کا ہے۔۔۔۔''

طالب علموں کے لیے نوٹ:۔

اردو اور برج بھاشا کے اختلافات کی تفصیل کے لیے پروفیسر مسعود حسین خاں کی کتاب "مقدمہ تاریخ زبانِ اردو" کا مطالعہ ضرور کریں اور ان بنیادی اختلافات کو یاد رکھیں۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ''اردو اور برج بھاشا (محمد حسین آزاد کا نظریہ)'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 12.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

مولانا محمد حسین آزاد نے آبِ حیات کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

"اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری۔۔۔۔۔۔برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے، لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے پردے پر۔۔۔۔۔۔کے ساتھ ہی آئی ہو۔اس کی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں ہے اور۔۔۔۔۔کا سبزہ زار اس کا وطن ہے۔"

12.4۔عمومی جائزہ:۔

مولانا محمد حسین آزاد اردو زبان کی ابتداء کے سلسلے میں ان اولین اہلِ علم میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اردو کو برج بھاشا سے ماخوذ قرار دیا۔انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''آبِ حیات'' میں یہ نظریہ پیش کیا کہ اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے۔اگرچہ بعد کے محققین اور ماہرینِ لسانیات،خصوصاً مولوی محمد حسین آزاد کے ناقدین، پروفیسر شیرانی، پروفیسر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اس نظریے کو دلائل کی بنیاد پر رد کیا،تاہم اس نظریے نے اردو کی ابتداء اور ارتقا کے مسئلے پر سنجیدہ علمی مباحث کو جنم دیا۔ان محققین نے ثابت کیا کہ اردو اور برج بھاشا دونوں مغربی ہندی کی شاخیں ہیں اور ان میں ماں بیٹی کا نہیں بلکہ بہنوں کا رشتہ ہے۔اردو اپنی ساخت،قواعد اور لسانی خصوصیات کے اعتبار سے ایک مستقل اور خود مختار زبان ہے۔اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کا نظریہ اگرچہ قابلِ قبول نہیں رہا،لیکن اردو لسانیات کی تاریخ میں اس کی غیر معمولی اہمیت برقرار ہے۔

12.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ماخذ	اصل،سرچشمہ	لسانیات	زبان کا علم
استدلال	دلیل دینا	تردید	رد کرنا
نظریہ	خیال،تصور	اشاعت	پھیلاؤ،نشر
اعتقاد	یقین،عقیدہ	مدلل	دلائل سے ثابت شدہ
قرابت	رشتہ،نزدیکی	مشابہت	مماثلت، یکسانیت
اختلافات	فرق،امتیازات	مستقل	خود مختار
ماخوذ	اخذ کیا گیا	امتزاج	ملاپ
اپ بھرنش	قدیم ہندی زبان کی بگڑی ہوئی شکل	وضع قطع	بناوٹ،ساخت
جانشین	وارث،قائم مقام	اعجاز	کمال،اثر

نشرواشاعت		پھیلانااورعام کرنا	بنیادی	اساسی،اصل
قابلِ قدر		لائقِ تحسین		

12.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔ مولانا محمد حسین آزاد کے نظریہ اردو و برج بھاشا پر تفصیلی نوٹ لکھیے؟

2۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اردو اور برج بھاشا کے تعلق کو کس طرح واضح کیا ہے؟

3۔ پروفیسر مسعود حسین خاں نے اردو اور برج بھاشا کے اختلافات کے بارے میں کیا رائے پیش کی ہے؟

4۔ اردو اور برج بھاشا کے باہمی تعلق اور اختلافات پر مفصل بحث کیجیے؟

12.7۔مشقی سوالات:۔

1۔مولانا محمد حسین آزاد نے اردو زبان کی اصل کس زبان کو قرار دیا؟

2۔مولانا شیرانی نے مولانا آزاد کے کس نظریے کی مخالفت کی؟

3۔اردو اور برج بھاشا کے رشتے کو ڈاکٹر شوکت سبزواری نے کس مثال سے واضح کیا؟

12.8۔مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

1۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اردو زبان کی اصل برج بھاشا کو قرار دیا۔

2۔ مولانا شیرانی نے اردو کے برج بھاشا سے ماخوذ ہونے کے نظریے کی مخالفت کی۔

3۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اردو اور برج بھاشا کے تعلق کو ماں بیٹی کے بجائے دو بہنوں کے رشتے سے تعبیر کیا۔

(جوابات سرگرمی:ا۔اردو زبان،۲۔ ہندوستان،۳۔ برج۔)

12.9۔امدادی کتب:۔

1۔ڈاکٹر محمد صادق	اے ہسٹری آف اردو لٹریچر، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1984ء
2۔ڈاکٹر مسعود حسین خاں	مقدمہ تاریخِ اردو زبان، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1999ء
3۔ڈاکٹر اعجاز حسین	مختصر تاریخ ادبِ اردو، ادارہ فروغِ اردو، امین آباد پارک لکھنو، 1965ء
4۔نصیر الدین ہاشمی	دکن میں اردو، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی
5۔حامد حسن قادری	داستانِ تاریخِ اردو، اے بی سی آفسیٹ پرنٹرز، حوض قاضی، دہلی، 2002ء
6۔ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ	اردو زبان کی تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2007ء
7۔میر انشا اللہ خان انشا	دریائے لطافت، مرتبہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، 1988ء
8۔سید احتشام حسین	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، 1997ء

سبق نمبر۱۳:۔اُردواور پنجابی (محمود شیرانی کا نظریہ)

ساخت

13.0۔ اغراض ومقاصد
13.1۔ تعارف
13.2۔ اردوزبان کی ابتداء کے مختلف نظریات
13.3۔ اردواور پنجابی (محمود شیرانی کا نظریہ)
سرگرمی (آؤاپنی معلومات جانچیں):۔
13.4۔ عمومی جائزہ
13.5۔ فرہنگ
13.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
13.7۔ مشقی سوالات
13.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/(جوابات سرگرمی)
13.9۔ امدادی کتب

13.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

اردوزبان کی ابتداء کے مختلف نظریات سے واقفیت حاصل ہوگی۔حافظ محمود شیرانی کے نظریہ پنجاب کوتفصیل سے سمجھنے کا موقع ملے گا۔یہ

جاننے میں مدد ملے گی کہ حافظ محمود شیرانی نے اردو کی ابتدا کو پنجاب سے کیوں منسوب کیا۔غزنوی دور کے تاریخی،سماجی اور لسانی اثرات اور ان کا اردو زبان کی تشکیل سے تعلق واضح ہوگا۔اردو اور پنجابی زبان کے درمیان موجود لسانی مماثلتوں سے آگاہی حاصل ہوگی۔اردو زبان کی صرف ونحو اور ساخت کے اہم پہلوؤں کو سمجھا جا سکے گا۔اردو زبان کے ارتقا میں مسلمانوں کے کردار اور مقامی زبانوں کے اثرات سے واقفیت پیدا ہوگی۔مختلف محققین کی آراء کے تناظر میں اردو زبان کی ابتداء اور ارتقاء کے مسئلے کا تنقیدی جائزہ لینے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

13.1۔تعارف:۔

اردو زبان کی ابتداء وآغاز کے بارے میں کئی مختلف ومتضاد نظریات ملتے ہیں۔یہ آپس میں اس حد تک متضاد ہیں کہ ایک انسان چکرا کر رہ جاتا ہے۔ان مشہور نظریات میں ایک بات مشترک ہے کہ ان میں اردو کی ابتداء کی بنیاد برصغیر پاک و ہند میں مسلمان فاتحین کی آمد پر رکھی گئی ہے اور بنیادی استدلال یہ ہے کہ اردو زبان کا آغاز مسلمان فاتحین کی ہند میں آمد اور مقامی لوگوں سے میل جول اور مقامی زبان پر اثرات وتاثر سے ہوا اور ایک نئی زبان معرضِ وجود میں آئی جو بعد میں اردو کہلائی۔کچھ ماہرینِ لسانیات نے اردو کی ابتدا کا سراغ قدیم آریاؤں کے زمانے میں لگانے کی کوشش کی ہے۔بہر طور اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں کوئی حتمی بات کہنا ذرا مشکل ہے۔اردو زبان کے محققین اگرچہ اس بات پر متفق ہیں کہ اردو کی ابتدا مسلمانوں کی آمد کے بعد ہوئی لیکن مقام اور نوعیت کے تعین اور نتائج کے استخراج میں اختلاف پایا جاتا ہے۔اس انداز سے اگر اردو کے متعلق نظریات کو دیکھا جائے تو وہ نمایاں طور پر مختلف نظریات کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

13.2۔اردو زبان کی ابتداء کے مختلف نظریات:۔

اردو زبان برصغیر کی ایک اہم اور ترقی یافتہ زبان ہے جس کی ابتداء اور ارتقاء کے بارے میں ماہرینِ لسانیات میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔اردو کی تشکیل ایک طویل تاریخی،تہذیبی اور لسانی عمل کا نتیجہ ہے،اس لیے اس کی پیدائش کے بارے میں کوئی ایک متفقہ نظریہ موجود نہیں۔مختلف محققین نے تاریخی شواہد،لسانی خصوصیات اور علاقائی اثرات کی بنیاد پر اردو کے آغاز کے متعلق الگ الگ نظریات پیش کیے ہیں۔ان نظریات کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اردو زبان نے کس خطے میں،کن زبانوں کے اختلاط سے اور کن تاریخی حالات میں جنم لیا۔چنانچہ اردو زبان کی ابتداء کے سلسلے میں متعدد نظریات سامنے آئے جن میں پنجاب،دہلی،دکن اور دیگر علاقوں سے متعلق آرا شامل ہیں۔انہی نظریات کے تناظر میں محققین نے اردو کی لسانی اور تاریخی بنیادوں کا جائزہ لیا ہے۔

13.3۔اردو اور پنجابی (محمود شیرانی کا نظریہ):۔

حافظ محمود شیرانی نے اپنے گہرے لسانی مطالعے اور ٹھوس تحقیقی بنیادوں پر یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ اردو کی ابتداء پنجاب میں ہوئی۔ان کے خیال کے مطابق اردو کی ابتداء اس زمانے میں ہوئی جب سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری ہندوستان پر بار بار حملے کر رہے تھے۔ان حملوں کے نتیجے میں فارسی بولنے والے مسلمانوں کی مستقل حکومت پنجاب میں قائم ہوئی اور دہلی کی حکومت کے قیام سے تقریباً دوسو سال تک یہ فاتحین یہاں قیام پذیر رہے۔اس طویل عرصے میں زبان کا بنیادی ڈھانچہ صورت پذیر ہوا۔اس نظریے کی صداقت کے ثبوت میں شیرانی صاحب نے اس علاقے کے بہت سے شعراء کا کلام پیش کیا ہے۔جس میں پنجابی، فارسی اور مقامی بولیوں کے اثرات سے ایک نئی زبان کی ابتدائی صورت نظر آتی ہے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> "سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے ساتھ ساتھ برصغیر کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔فتوحات کا یہ سلسلہ 1000ء سے 1026ء تک جاری رہا اور پنجاب وسندھ کے علاوہ قنوج، گجرات (سومنات) تھرا اور کالنجر تک فاتحین کے قدم پہنچے لیکن محمود غزنوی نے ان سب مفتوحہ علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کیا البتہ 1025ء میں لاہور میں اپنا نائب مقرر کر کے پنجاب کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔نئے فاتحین میں ترک اور افغان شامل تھے۔غزنوی عہد میں مسلمان کثیر تعداد میں پنجاب میں آباد ہوئے، علما اور صوفیا نے یہاں آ کر رشد و ہدایت کے مراکز قائم کیے اور تبلیغ دین کا سلسلہ شروع کیا جس کے نتیجے میں مقامی باشندے گروہ در گروہ اسلام قبول کرنے لگے اس سماجی انقلاب کا اثر یہاں کی زبان پر پڑا۔کیونکہ فاتحین نے پنجاب میں آباد ہو کر یہاں کی زبان کو بول چال کے لیے اختیار کیا۔اس طرح غزنوی دور میں مسلمانوں کی اپنی زبان، عربی، فارسی اور ترکی کے ساتھ ایک ہندوی زبان کے خط و خال نمایاں ہوئے۔"

مسلمان تقریباً پونے دوسو سال تک پنجاب، جس میں موجودہ سرحدی صوبہ اور سندھ شامل تھے حکمران رہے۔1193ء میں قطب الدین ایبک کے لشکروں کے ساتھ مسلمانوں نے دہلی کی طرف پیش قدمی کی اور چند سالوں کے بعد ہی سارے شمالی ہندوستان پر مسلمان قابض ہو گئے۔اب لاہور کی بجائے دہلی کو دارالخلافہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تو لازماً مسلمانوں کے ساتھ یہ زبان جو اس وقت تک بول چال کی زبان کا

درجہ حاصل کر چکی تھی، ان کے ساتھ ہی دہلی کی طرف سفر کر گئی۔

تاریخی اور سیاسی واقعات وشواہد کے علاوہ پروفیسر محمود خان شیرانی، اردو اور پنجابی کی لسانی شہادتوں اور مماثلتوں سے دونوں زبانوں کے قریبی روابط و تعلق کو واضح کر کے اپنے اس نظرے کی صداقت پر زور دیتے ہیں کہ اردو کا آغاز پنجاب میں ہوا۔ فرماتے ہیں:

> "اردو اپنی صرف ونحو میں پنجابی وملتانی کے بہت قریب ہے۔ دونوں میں اسماء وافعال کے خاتمے میں الف آتا ہے اور دونوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے یہاں تک کہ دونوں میں جمع کے جملوں میں نہ صرف جملوں کے اہم اجزاء بلکہ ان کے توابعات وملحقات پر بھی ایک باقاعدہ قاعدہ جاری ہے۔ دونوں زبانیں تذکیر وتانیث کے قواعد، افعال مرکبہ وتوابع میں متحد ہیں پنجابی اور اردو میں ساٹھ فی صدی سے زیادہ الفاظ مشترک ہیں۔"

مختصراً پروفیسر شیرانی کی مہیا کردہ مشابہتوں اور مماثلتوں پر نظر ڈالیں تو دونوں زبانوں کے لسانی رشتوں کی وضاحت ہو جاتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اردو اپنی ساخت اور صرفی ونحوی خصوصیات کی بنا پر پنجابی زبان سے بہت زیادہ قریب ہے اور اس سے بھی پروفیسر موصوف کے استدلال کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔

الغرض اگر ہم پروفیسر شیرانی کی تحقیق پر تنقیدی نظر ڈالیں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ واقعی اردو اپنی ہیئت، ساخت اور صرف ونحو کی خصوصیات کی بنا پر پنجابی سے قریب تر ہے۔ مثلاً:

1۔ اردو اور پنجابی میں تذکیر وتانیث کے قواعد یکساں ہیں۔ مثلاً اکثر الفاظ جو الف پر ختم ہوں اگر ان کی تانیث کرنی مقصود ہو تو "الف" کو "ی" میں بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً بکرا، بکری۔ گھوڑا، گھوڑی۔ کالا، کالی وغیرہ۔

2۔ مصدر کا قاعدہ بھی دونوں زبانوں میں یکساں ہے۔ یعنی فعل امر کے آخر میں "نا" کے اضافے سے مصدر بنایا جاتا ہے۔

3۔ فعل تذکیر وتانیث دونوں میں اپنے فاعل کی حالت کے مطابق آتا ہے۔ مثلاً گھوڑی آئی (اردو)، کوڑی آئی (پنجابی)، لڑکا آیا (اردو)، منڈا آیا (پنجابی)۔

4۔ فعل لازم سے فعل متعدی بنانے کے قاعدے بھی دونوں زبانوں میں یکساں ہیں جیسے سیکھنا سے سکھانا (اردو)، سکھنا سے سکھانا (پنجابی)، بیٹھنا سے بٹھانا (اردو) اور بہنا سے بہانا (پنجابی)۔ اس کے علاوہ ماضی مطلق، ماضی احتمالی شکیہ، مضارع، مستقبل کے اصول، مضارع امر کے قاعدے، معروف ومجہول، دعائیہ اور ندائیہ کے اصول وضوابط دونوں زبانوں میں یکساں ہیں۔

یاد رہے کہ ''پنجاب میں اردو'' کی اشاعت سے قبل مولانا محمد حسین آزاد کے پیش کردہ نظریے کو ہی قبولیتِ عام حاصل تھی مگر حافظ صاحب کی کتاب نے تحقیق کے تمام تر دروازے پنجاب کی سرزمین کی طرف وا کر دیے۔ خود حضرت علامہ محمد اقبال کو جب نصیر الدین ہاشمی نے اپنی تصنیف ''دکن میں اردو'' پیش کی تو انہوں نے کہا:

"غالباً پنجاب میں بھی کچھ پرانا مسالا موجود ہے۔ اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہوگی تو مورخ اردو کے لیے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔"

پروفیسر سینٹی کمار چٹر جی نے بھی پنجاب میں مسلمان فاتحین کے معاشرتی اور نسلی اختلاط کا ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر زور کے نقطہ نظر کی تائید کی ہے۔ ان کے خیال میں قدرتی طور پر مسلمانوں نے جو زبان ابتداً اختیار کی وہ وہی ہوگی جو اس وقت پنجاب میں بولی جاتی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں پنجابی زبان خاص طور پر مشرقی پنجاب اور یو پی کے مغربی اضلاع کی بولیوں میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں اور یہ فرق آٹھ، نو سو سال پہلے تو اور بھی زیادہ کم ہوگا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ وسطی و مشرقی پنجاب اور مغربی یو پی میں اس وقت قریباً ملتی جلتی بولی رائج ہو۔ مزید براں پروفیسر موصوف حافظ محمود شیرانی کی اس رائے سے بھی متفق دکھائی دیتے ہیں کہ پنجاب کے لسانی اثرات کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''اردو اور پنجابی محمود شیرانی کا نظریہ) '' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 13.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

مختصراً ۔۔۔۔۔۔ کی مہیا کردہ مشابہتوں اور مماثلتوں پر نظر ڈالیں تو دونوں زبانوں کے ۔۔۔۔ رشتوں کی وضاحت ہو جاتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اردو اپنی ساخت اور ۔۔۔۔۔ خصوصیات کی بنا پر پنجابی زبان سے بہت زیادہ قریب ہے اور اس سے بھی پروفیسر موصوف کے استدلال کو مزید ۔۔۔۔ پہنچتی ہے۔

13.4۔عمومی جائزہ:۔

مجموعی طور پر پروفیسر محمود شیرانی کا یہ استدلال بڑا وزن رکھتا ہے کہ غزنوی دور میں ایک ایسی بین الاقوامی زبان ظہور پذیر ہو سکتی ہے جو مختلف قوموں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنے۔ یوں محققین کی ان آراء کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ قدیم اردو کا آغاز جدید ہند آریائی زبانوں کے طلوع کے ساتھ تقریباً 1000ء کے لگ بھگ اس زمانے میں ہو گیا جب مسلم فاتحین مغربی ہند کے علاقوں میں آباد ہوئے اور یہاں اسلامی اثرات بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگے۔

13.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
متضاد	ایک دوسرے کے برعکس	استدلال	دلیل پیش کرنا
معرضِ وجود	وجود میں آنے کی حالت	ماہرینِ لسانیات	زبان کے ماہرین
استخراج	نتیجہ اخذ کرنا	لسانی	زبان سے متعلق
تحقیقی	تحقیق پر مبنی	صداقت	سچائی
شواہد	ثبوت	صورت پذیر	تشکیل پانا
فتوحات	فتحوں کا سلسلہ	قلم رو	حکومت کا علاقہ
رشد و ہدایت	راہ نمائی	تبلیغ	دین کی اشاعت
اختیار کرنا	اپنانا	خط و خال	ابتدائی شکل وصورت
دارالخلافہ	حکومت کا مرکزی مقام	مماثلت	مشابہت
صرف ونحو	قواعدِ زبان	تذکیروتانیث	مذکر اور مؤنث کی تقسیم
مصدر	فعل کی بنیادی شکل	فعلِ متعدی	وہ فعل جس کا اثر مفعول پر پڑے
فعلِ لازم	وہ فعل جس کا اثر مفعول پر نہ پڑے	استدلال	منطقی دلیل

تقویت	مضبوطی	اختلاط	باہمی میل جول
مولدو مسکن	جائے پیدائش اور رہائش	ظہور پذیر	وجود میں آنے والا
سرعت	تیزی	قدیم	پرانا
ہیئت	ساخت وصورت		

13.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔حافظ محمود شیرانی کے نظریہ پنجاب کی وضاحت کرتے ہوئے اردو کی ابتدا کے بارے میں ان کے دلائل بیان کیجیے؟

۲۔اردو اور پنجابی کے لسانی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے حافظ محمود شیرانی کے مؤقف کا جائزہ لیجیے؟

۳۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے بیان کی روشنی میں غزنوی دور کے لسانی اثرات اور اردو زبان کی تشکیل پر تفصیلی نوٹ لکھیے؟

13.7۔مشقی سوالات:۔

۱۔حافظ محمود شیرانی کے مطابق اردو زبان کی ابتدا کہاں ہوئی؟

۲۔اردو اور پنجابی کے درمیان دو لسانی مماثلتیں بیان کیجیے؟

۳۔غزنوی دور میں اردو زبان کی تشکیل کے اسباب کیا تھے؟

13.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/(جوابات سرگرمی):۔

1۔ حافظ محمود شیرانی کے مطابق اردو زبان کی ابتدا پنجاب میں ہوئی جہاں مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے اختلاط سے اس کی ابتدائی شکل وجود میں آئی۔

2۔ اردو اور پنجابی میں تذکیرو تانیث کے قواعد اور مصدر بنانے کے اصول بڑی حد تک یکساں ہیں۔

3۔ غزنوی دور میں مسلمانوں کی پنجاب میں آبادکاری، مقامی لوگوں سے میل جول، عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے اثرات اور تبلیغی سرگرمیوں نے اردو زبان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

(جوابات سرگرمی: ا۔ پروفیسر محمود شیرانی، ۲۔ لسانی، ۳۔ صرفی ونحوی، ۴۔ تقویت۔)

13.9۔ امدادی کتب:۔

پنجاب میں اردو	پروفیسر محمود شیرانی
مقدمہ تاریخ زبان اردو	از پروفیسر مسعود حسین خان
زبان اور علم زبان	پروفیسر عبدالقادر سروری

سبق نمبر۱۴:۔اُردو۔کھڑی بولی اور ہریانوی (مسعود حسین خان کا نظریہ)

ساخت

14.0۔ اغراض ومقاصد

14.1۔ تعارف

14.2۔ اردوزبان کی ابتداء کے مختلف نظریات

14.3۔ مسعود حسین خان کا نظریہ

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

14.4۔ عمومی جائزہ

14.5۔ فرہنگ

14.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

14.7۔ مشقی سوالات

14.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

14.9۔ امدادی کتب

14.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کے نظریہ آغازِ اردو سے واقف ہوں گے اوران کے بنیادی تصورات کو جان سکیں گے۔اردو، کھڑی بولی،

ہریانی اور مغربی ہندی کے باہمی لسانی تعلقات کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ یہ جان سکیں گے کہ پروفیسر مسعود حسین خاں نے اردو کی تشکیل اور ارتقاء کے سلسلے میں کون سے دلائل پیش کیے ہیں۔ نواحِ دہلی کی بولیوں اور اردو زبان کے تعلق کے بارے میں مختلف آراء سے واقف ہوں گے۔ پروفیسر خورشید حمرا صدیقی کی تنقید اور مسعود حسین خاں کے نظریے پر کیے گئے اعتراضات کو سمجھ سکیں گے۔ اردو زبان کے منبع، سرچشمے اور مولد و منشا کے بارے میں ماہرینِ لسانیات کے مختلف نقطہ نظر سے آگاہ ہوں گے۔ اردو زبان کی تاریخی اور لسانی تشکیل کے مختلف مراحل کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کریں گے۔ لسانی تحقیق میں تقابلی مطالعے کی اہمیت اور اس کے نتائج سے واقف ہوں گے۔

14.1۔تعارف:۔

اردو زبان کی ابتداء اور ارتقاء کے مسئلے نے ہمیشہ ماہرینِ لسانیات اور محققین کی توجہ اپنی جانب مبذول رکھی ہے۔ مختلف ادوار میں متعدد اہلِ علم نے اردو کے آغاز، اس کے لسانی سرچشموں اور ارتقائی مراحل کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ انہی محققین میں پروفیسر مسعود حسین خاں کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے، جنہوں نے اردو زبان کی تشکیل اور ارتقاء کے حوالے سے ایک منفرد اور مفصل لسانی نظریہ پیش کیا۔ ان کی تحقیق اردو زبان کے تاریخی پس منظر، ہند آریائی زبانوں کی ارتقائی صورتِ حال اور نواحِ دہلی کی بولیوں کے باہمی تعلقات کے مطالعے پر مبنی ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں نے اپنی مشہور تصنیف میں قدیم ہند آریائی زبانوں سے لے کر جدید آریائی زبانوں تک کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیا اور اردو کے آغاز کو مغربی ہندی اور نواحِ دہلی کی بولیوں کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک اردو کی تشکیل میں ہریانی اور نواحِ دہلی کی دیگر بولیوں کا نمایاں کردار رہا ہے۔ انہوں نے دکنی زبان، کھڑی بولی اور اردو کے باہمی تعلقات کا بھی تفصیلی مطالعہ کیا اور اپنے نظریے کے حق میں مختلف لسانی دلائل پیش کیے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں کے نظریے نے اردو لسانیات میں ایک نئی بحث کو جنم دیا۔ متعدد محققین نے ان کے خیالات کو سراہا، جبکہ بعض اہلِ علم نے ان کے بعض نتائج سے اختلاف بھی کیا۔ خصوصاً پروفیسر خورشید حمرا صدیقی نے ان کے نظریے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ اُردو، کھڑی بولی اور دیگر بولیوں کے تعلق کو کس زاویے سے سمجھا جانا چاہیے۔ اس طرح یہ نظریہ اردو زبان کی تاریخ، ارتقاء اور لسانی ساخت کے مطالعے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے اور اردو کے آغاز سے متعلق مختلف آراء کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

14.2۔اردو زبان کی ابتداء کے مختلف نظریات:۔

اردو زبان برصغیر کی ایک اہم اور ترقی یافتہ زبان ہے جس کی ابتداء اور ارتقاء کے بارے میں ماہرینِ لسانیات میں مختلف آرا پائی جاتی

ہیں۔اردو کی تشکیل ایک طویل تاریخی، تہذیبی اور لسانی عمل کا نتیجہ ہے، اس لیے اس کی پیدائش کے بارے میں کوئی ایک متفقہ نظریہ موجود نہیں۔ مختلف محققین نے تاریخی شواہد، لسانی خصوصیات اور علاقائی اثرات کی بنیاد پر اردو کے آغاز کے متعلق الگ الگ نظریات پیش کیے ہیں۔ان نظریات کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اردو زبان نے کس خطے میں، کن زبانوں کے اختلاط سے اور کن تاریخی حالات میں جنم لیا۔ چنانچہ اردو زبان کی ابتداء کے سلسلے میں متعدد نظریات سامنے آئے جن میں پنجاب، دہلی، دکن اور دیگر علاقوں سے متعلق آرا شامل ہیں۔انہی نظریات کے تناظر میں محققین نے اردو کی لسانی اور تاریخی بنیادوں کا جائزہ لیا ہے۔

14.3۔مسعود حسین خان کا نظریہ:۔

پروفیسر خورشید احمد صدیقی (سابق صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی) نے اپنی تحقیقی کتاب ''اردو زبان کا آغاز: مختلف نظریے اور حقائق'' میں پروفیسر مسعود حسین خاں کے نظریے کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ پروفیسر مسعود حسین خاں کے نظریے کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے اُن کی پوری کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔اُنھوں نے اپنی کتاب کے پہلے باب میں ہندوستان کی آریائی زبانوں کی مختصر تاریخ بیان کی ہے جس میں آریوں کے وطن اور داخلہ ہند، ہند آریائی زبان کے عہدِ قدیم، عہدِ وسطیٰ اور تیسرے دور پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے باب میں ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی گروہ بندی کی گئی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مغربی ہندی اور اس کی بولیوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔تیسرے باب میں اردو کے ارتقاء کا تحقیقی مواد فراہم کیا گیا ہے اور اردو (کھڑی بولی) کی جنم بھومی کے متعلق بتایا گیا ہے۔اردو کے ارتقاء کا تحقیقی مواد 800ء سے 1300ء تک محیط ہے۔

مسعود صاحب نے اپنی متذکرہ تصنیف میں تحقیق کی جو سمت مقرر کی تھی اور تیسرے باب تک جس انداز سے بحث کر رہے تھے، آخری کے دو ابواب میں وہ انداز قائم نہ رکھ سکے۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے بیانات اکثر اوقات تضاد کا شکار ہو گئے ہیں۔اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ بار بار شورسینی اپ بھرنش اور مغربی ہندی کا ذکر کرنے کے باوجود، دوسروں کے نظریوں کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت نیز اپنے نظریے کو پیش کرتے وقت وہ دہلی کی زبان اور نواحِ دہلی کی بولیوں پر ضرورت سے زیادہ زور دینے لگے اور کہنے لگے کہ اردو کی تشکیل براہِ راست ہریانی کے زیرِ اثر ہوئی ہے، اتنا ہی نہیں وہ نواحِ دہلی کی بولیوں کا ذکر کرتے وقت کھڑی بولی کو اردو سے الگ تصور کرنے لگے اور اردو پر کھڑی بولی کے اثرات تلاش کرنے لگے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اردو کھڑی بولی ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے اور وہ خود بھی اس کو مانتے ہیں۔ چوتھے باب میں مسعود صاحب نے آزاد اور

شیرانی کے نظریوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ آزاد کے نظریے کے متعلق ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اردو برج بھاشا سے نہیں نکلی۔ شیرانی کے نظریے پر تنقید کرتے وقت اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے متعلق اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ جس طرح شیرانی نے اردو اور پنجابی کی مشترکہ خصوصیات کو بہت زیادہ اہمیت دی، اسی طرح مسعود صاحب نے ہریانی اور اردو کی مشترکہ خصوصیات پر ضرورت سے زیادہ زور دے دیا۔

پانچویں باب میں مسعود صاحب نے ایک نئے لسانی نظریے کی تشکیل کی ہے۔ پروفیسر صاحب کے نظریے کے اہم نکات یہ ہیں:

1۔اردو کی تشکیل براہِ راست ہریانی کے زیرِ اثر ہوئی ہے۔

2۔اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات پڑے ہیں۔

3۔نواحِ دہلی کی تمام بولیوں کا تقابلی مطالعہ کر کے دکنی زبان کی خصوصیات کو پنجابی کے بجائے ان میں پہچاننے کی کوشش کی جائے۔

4۔دکنی کے تمام غریب الفاظ کی توجیہہ نواحِ دہلی کی چار بولیوں (ہریانی، کھڑی، میواتی اور برج) سے کی جا سکتی ہے۔

5۔نواحِ دہلی کی بولیاں اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ ہیں۔

6۔حضرتِ دہلی اردو کا صحیح مولد و منشا ہے۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک نکتے پر الگ الگ غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ ان میں سچائی کہاں تک ہے۔

1۔ اردو کی تشکیل براہِ راست ہریانی کے زیرِ اثر نہیں ہوئی ہے کیوں کہ اردو کی قدیم شکل، کھڑی بولی اور ہریانی، مغربی ہندی سے وجود میں آئیں۔

2۔ اردو اور کھڑی بولی الگ الگ زبانیں نہیں ہیں۔ خود مسعود صاحب نے اپنی کتاب میں متعدد بار اردو اور کھڑی بولی کو ایک ہی قرار دیا ہے اور یہی دوسرے ماہرینِ لسانیات کا بھی خیال ہے۔ اردو اور کھڑی بولی چونکہ ایک ہی ہیں، اس لیے یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات پڑے ہیں۔

3۔ قدیم اردو کی جن خصوصیات کو پنجابی یا ہریانی یا نواحِ دہلی کی دوسری بولیوں سے منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل اس قدیم زبان کی خصوصیات ہیں جسے ہم اپ بھرنش کی جدید شکل یا مغربی ہندی کہہ سکتے ہیں اور جو شمالی ہند کی مسلمہ ادبی زبان بن گئی تھی اور جس سے شمالی ہند کی تقریباً تمام بولیوں نے خوشہ چینی کی ہے۔ (خود مسعود صاحب نے ان باتوں کو بار بار دہرایا ہے) مسعود صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مغربی ہندی، راجستھانی اور مشرقی پنجابی وغیرہ، شورسینی اپ بھرنش سے نکلی ہیں اور نواحِ دہلی کی بولیاں مغربی ہندی سے۔ اس لیے ان تمام بولیوں میں کچھ نہ کچھ مشترکہ خصوصیات لازماً ہوں گی۔ ان مشترکہ خصوصیات کے لیے یہ کہنا کہ بولی نے فلاں بولی سے لی ہیں غلط ہے۔

ایک ہی زبان سے نکلنے والی مختلف بولیوں کا تقابلی مطالعہ کرنا کوئی غلط بات نہیں لیکن ان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کوئی ایک زبان دوسری سے نکلی ہے غلط ہے۔ آپسی مشابہتیں صرف ماں بیٹی کی ہی نہیں بلکہ بہنوں بہنوں کی بھی ہوسکتی ہیں۔ نواحِ دہلی کی بولیاں یعنی کھڑی، برج، ہریانی وغیرہ چونکہ سب مغربی ہندی کی شاخیں ہیں اس لیے ان میں بہت سی مشترکہ خصوصیات کا پایا جانا لازمی ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

4۔ دکنی کے تمام غریب الفاظ کی توجیہہ نواحِ دہلی کی بولیوں (ہریانی، کھڑی اور برج) سے کرنے کے متعلق جین صاحب نے بالکل درست لکھا ہے کہ کسی زبان یا بولی میں کئی زبانوں کے الفاظ داخل ہوجائیں تو اس سے کسی زبان یا بولی کو کئی زبانوں کے اختلاط کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اہمیت صرف بنیادی الفاظ اور صرف ونحو کے اصولوں کی ہوتی ہے۔ متفرق الفاظ کسی زبان کا شجرہ متعین نہیں کرتے۔

5۔ نواحِ دہلی کی بولیاں اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ نہیں ہوسکتیں۔ اس کی کئی وجہیں ہیں:

ا۔ کئی زبانوں کے اختلاط سے کوئی نئی زبان وجود میں نہیں آتی۔

2۔ اردو (کھڑی بولی) بھی اسی طرح مغربی ہندی سے نکلی ہے جیسی کہ نواحِ دہلی کی دوسری بولیاں۔ یہ سب تقریباً بیک وقت عالمِ وجود میں آئیں۔ پھر نواحِ دہلی کی بولیاں اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ کیسے ہوسکتی ہیں۔ نواحِ دہلی کی بولیوں یعنی کھڑی بولی، برج اور ہریانی وغیرہ کا آپس میں بہنوں بہنوں کا رشتہ ہے نہ کہ ماں بیٹی کا۔

3۔ نواحِ دہلی کی بولیاں مسلمانوں کی فتحِ دہلی کے بعد کا ارتقاء ہیں اور سب نے تقریباً ایک ساتھ ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ مسعود صاحب نے اپنی کتاب کے شروع کے تین ابواب میں بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ اردو (کھڑی بولی یا ہندوستانی) مغربی ہندی کی شاخ ہے۔ اگر کھڑی بولی مغربی ہندی کی شاخ ہے تو پھر مغربی ہندی اردو کا اصل سرچشمہ اور منبع ہوئی نہ کہ نواحِ دہلی کی بولیاں، جب کہ وہ خود بھی اس کے ساتھ ساتھ مغربی ہندی سے ہی عالمِ وجود میں آئیں۔

6۔ مسعود صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ کھڑی بولی مغربی ہندی کی شاخ ہے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ مغربی ہندی مدھیہ دیش (مشرقی پنجاب اور مغربی یوپی) کی زبان ہے اور اس کے حدود بھی وہی ہیں جو مدھیہ دیش کے ہیں، تو پھر کھڑی بولی مدھیہ دیش کی زبان ہوئی۔ اور جب کھڑی بولی مدھیہ دیش کی زبان ہے تو پھر اس کا مولد ومنشا مدھیہ دیش ہوا، اور جب اس کا مولد ومنشا مدھیہ دیش ہوا تو پھر حضرتِ دہلی اس کا صحیح مولد ومنشا کیسے ہوسکتا ہے؟

جب کہ خود مسعود صاحب کی کتاب کے تیسرے باب میں باقاعدہ بہ حرفِ جلی عنوان ہے: ''اردو (کھڑی بولی) کی جنم بھومی''، جس

کے تحت واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ آریوں کی آمد سے لے کر مسلمانوں کی فتوحات تک ہر زمانے میں مدھیہ دیش کی ہی کسی نہ کسی زبان کا راج رہا اور شروع میں جب ترک پنجاب کے میدانوں میں داخل ہوئے تو اس وقت شورسینی اپ بھرنش اپنے شباب پر تھی اور ہندوستان کی جدید بولیوں کے پودے پھوٹنے شروع ہوتے تھے۔ وہ بار بار اس بات کو دہراتے ہیں کہ اردو (کھڑی بولی) مغربی ہندی سے نکلی ہے اور مغربی ہندی مدھیہ دیش (مشرقی پنجاب اور مغربی یوپی) کی خاص زبان ہے۔ اس لیے پروفیسر خورشید حمر اصدیقی کا یہ کہنا درست ہے کہ اردو مدھیہ دیش کی زبان ہے اور یہ مدھیہ دیش (مشرقی پنجاب اور مغربی یوپی) میں ہی پیدا ہوئی۔ اس لیے مغربی ہندی اس کا اصل منبع اور سر چشمہ ہے۔۔۔۔۔۔ اور مدھیہ دیش اس کا صحیح مولد و منشا۔۔۔۔۔۔ اور مسعود صاحب کے نظریے سے بھی ان کے اس دعوے کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

پروفیسر ڈاکٹر خورشید حمر اصدیقی (سابق صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی) کی تحقیقی کتاب ''اردو زبان کا آغاز مختلف نظریات اور حقائق''

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''اردو کھڑی بولی اور ہریانوی (مسعود حسین خان کا نظریہ)'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔

اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 14.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کے۔۔۔۔۔۔ نے اردو لسانیات میں ایک نئی بحث کو جنم دیا۔ متعدد۔۔۔۔۔۔ نے ان کے خیالات کو سراہا، جبکہ بعض اہلِ علم نے ان کے بعض نتائج سے اختلاف بھی کیا۔ خصوصاً پروفیسر خورشید حمر اصدیقی نے ان کے نظریے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ اردو، کھڑی بولی اور۔۔۔۔۔ کے تعلق کو کس زاویے سے سمجھا جانا چاہیے۔ اس طرح یہ نظریہ اردو زبان کی تاریخ، ارتقاء اور لسانی ساخت کے مطالعے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے اور اردو کے آغاز سے متعلق۔۔۔۔۔۔ کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

14.4۔عمومی جائزہ:۔

پروفیسر مسعود حسین خاں اردو زبان کے اہم ماہرِ لسانیات ہیں جنہوں نے اردو کی ابتداءاورارتقاء کے بارے میں ایک منفرد نظریہ پیش کیا۔ان کے مطابق اردو کی تشکیل میں نواحِ دہلی کی بولیوں،خصوصاً ہریانی، کا نمایاں کردار رہا ہے۔انہوں نے اردو، دکنی اورنواحِ دہلی کی مختلف بولیوں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اردو کا رشتہ ان بولیوں سے گہرا ہے۔ان کی تحقیق کا بنیادی مقصد اردو زبان کے تاریخی اورلسانی پس منظرکوسائنسی بنیادوں پرواضح کرنا تھا۔پروفیسرخورشید حمراصدیقی نے مسعود حسین خاں کے نظریے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بعض اہم اعتراضات پیش کیے ہیں۔ان کے مطابق اردواورکھڑی بولی الگ الگ زبانیں نہیں بلکہ ایک ہی زبان کی مختلف صورتیں ہیں،اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ اردو پر بعد میں کھڑی بولی کے اثرات مرتب ہوئے۔مزید یہ کہ ہریانی، برج، کھڑی بولی اور دیگرنواحی بولیاں سب مغربی ہندی کی شاخیں ہیں،اس لیے ان میں پائی جانے والی مشترکہ خصوصیات کوکسی ایک بولی کا دوسری پر اثر قرار نہیں دیا جا سکتا۔اس نظریے کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اردو کی تشکیل ایک طویل تاریخی اورلسانی عمل کا نتیجہ ہے۔اردو کے ارتقاء کوسمجھنے کے لیے مغربی ہندی، شورسینی اپ بھرنش اور مدھیہ دیش کی لسانی روایت کونظر میں رکھنا ضروری ہے۔اگرچہ مسعود حسین خاں کا نظریہ اردولسانیات میں ایک اہم مقام رکھتا ہے،تاہم اس کے بعض نکات ماہرینِ لسانیات کے درمیان اختلافِ رائے کا سبب بھی بنے ہیں۔یہی اختلافات اردو زبان کی تاریخ اور ارتقاء کے مطالعے کومزید دلچسپ اورتحقیقی بناتے ہیں۔

14.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی
آریائی زبانیں	آری نسل سے متعلق زبانیں
داخلہ ہند	ہندوستان میں آمد
عہدِ قدیم	قدیم زمانہ
عہدِ وسطیٰ	درمیانی تاریخی دور
گروہ بندی	درجہ بندی، تقسیم

ارتقاء	تدریجی ترقی
جنم بھومی	جائے پیدائش
تصنیف	کتاب،تالیف
تنقیدی جائزہ	تحقیقی جانچ پڑتال
تضاد	باہمی اختلاف
تشکیل	وجود میں آنا
زیرِ اثر	اثر کے تحت
تقابلی مطالعہ	موازنہ کرتے ہوئے مطالعہ
توجیہ	تشریح،وضاحت
اختلاط	ملاپ،آمیزش
شجرہ	اصل ونسب
خصوصیات	نمایاں صفات
منبع	سرچشمہ،اصل ماخذ
سرچشمہ	بنیادی ماخذ
مولد ومنشا	جائے پیدائش اورآغاز
شورسینی اپ بھرنش	قدیم ہندآریائی زبان کی ایک شکل
مدھیہ دیش	وسطی ہندوستان کا تاریخی خطہ

14.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔پروفیسر مسعود حسین خاں کے نظریہ آغازِ اردو کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس کے بنیادی نکات پر روشنی ڈالیں؟

2۔ پروفیسر خورشید احمر اصدیقی نے مسعود حسین خاں کے نظریے پر کیا اعتراضات وارد کیے ہیں؟ تفصیل سے بیان کیجیے؟

3۔ اردو، کھڑی بولی، ہریانی اور مغربی ہندی کے باہمی تعلقات کا جائزہ لیتے ہوئے اردو کے منبع و مولد کے مسئلے پر بحث کیجیے؟

14.7۔ مشقی سوالات :۔

1۔ پروفیسر مسعود حسین خاں کے مطابق اردو کی تشکیل پر کس بولی کا نمایاں اثر تھا؟

____

____

2۔ پروفیسر خورشید احمر اصدیقی کے مطابق اردو کا اصل سرچشمہ کیا ہے؟

____

____

14.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

1۔ پروفیسر مسعود حسین خاں کے مطابق اردو کی تشکیل پر ہریانی کا نمایاں اثر رہا ہے اور اس کی ساخت میں نواحِ دہلی کی بولیوں کا کردار اہم ہے۔

2۔ پروفیسر خورشید احمر اصدیقی کے مطابق مغربی ہندی اردو کا اصل سرچشمہ ہے اور اردو اسی لسانی روایت سے وجود میں آئی ہے۔

(جوابات سرگرمی: ۱۔ نظریے، ۲۔ محققین، ۳۔ دیگر بولیوں، ۴۔ مختلف آراء۔)

14.9۔ امدادی کتب:۔

مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو	مسعود حسین خاں
پنجاب میں اردو	محمود شیرانی
ہندوستانی لسانیات	محی الدین قادری زور

داستانِ زبانِ اردو	شوکت سبزواری
ہندوستانی لسانیات کا خاکہ	احتشام حسین
لسانیات اور اردو	محمود الحسن
اردو زبان کی تاریخ	مرزا خلیل بیگ
اردو ماخذ سے متعلق مختلف نظریے	مرتبہ: مرزا خلیل بیگ

سبق نمبر۱۵:۔اردواوررسم الخط

ساخت

15.0۔ اغراض ومقاصد

15.1۔ تعارف

15.2۔ اردوزبان

15.3۔ اردواوررسم الخط

سرگرمی(آؤاپنی معلومات جانچیں)

15.4۔ عمومی جائزہ

15.5۔ فرہنگ

15.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

15.7۔ مشقی سوالات

15.8۔ مشقی سوالات کے جوابات/جوابات سرگرمی:۔

15.9۔ امدادی کتب

15.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

زبان کی تکلمی اورتحریری شکلوں کےفرق سےواقف ہوں گے۔آپ تحریر،نظامِ تحریراوررسم الخط کےبنیادی تصورات کوسمجھیں گے۔اردو

کے حروفِ تہجی اوران کی خصوصیات کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے اعراب وعلامات کے استعمال اوران کی اہمیت سے آگاہ ہوں گے۔نستعلیق خط کی تشکیل اوراس کے ارتقاء کے بارے میں جانیں گے۔اردو پرعربی، فارسی اورمقامی زبانوں کے اثرات کوسمجھیں گے۔اردو کے موجودہ طرزِ کتابت اوراس کی نمایاں خصوصیات سے متعارف ہوں گے۔اردوزبان کے تاریخی،تہذیبی اورثقافتی پس منظر کو جانیں گے۔

15.1۔تعارف:۔

ہرزبان کی دو بنیادی صورتیں ہوتی ہیں: تکلمی اورتحریری۔تکلمی صورت زبان کی اصل اورقدیم شکل ہوتی ہے،جبکہ تحریری صورت اس کے ارتقائی سفر کا نتیجہ ہوتی ہے۔زبان کی تحریری نمائندگی کے لیے جس نظام اورطریقہ کارکواختیار کیا جاتا ہے،اسے رسم الخط کہا جاتا ہے۔رسم الخط کسی زبان کے الفاظ،آوازوں اورمعانی کوبصری شکل میں محفوظ کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔اردوزبان کا رسم الخط عربی اورفارسی رسم الخط کی توسیع شدہ شکل ہےجس نے وقت کے ساتھ اپنی منفرد شناخت قائم کی۔اردو رسم الخط نہ صرف زبان کی تحریری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے بلکہ اس کی تہذیبی، ثقافتی اورادبی روایتوں کا بھی امین ہے۔اس میں عربی، فارسی اور برصغیر کی مقامی زبانوں کے اثرات نمایاں طور پر موجود ہیں۔اردو کا موجودہ رسم الخط نستعلیق کہلاتا ہے جواپنی خوب صورتی،دلکشی اورفنی خصوصیات کی بنا پر دنیا کے حسین ترین رسم الخطوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

15.2۔اردوزبان:۔

اردو ایک جدید ہندآریائی زبان ہے جسے ہندوستانی زبان بھی کہا جاتا ہے۔یہ برصغیر کی سرزمین پر وجود میں آئی،یہیں نشوونما پائی اور وقت کے ساتھ ایک مکمل اورتوانا زبان کی حیثیت اختیار کرگئی۔لفظ ''اردو'' ترکی زبان کالفظ ہےجس کے معنی ''لشکر'' یا ''فوجی چھاؤنی'' کے ہیں۔ اس زبان کی ساخت اورتشکیل میں کھڑی بولی نے بنیادی کردار ادا کیا،جبکہ اس کے رسم الخط کے لیے عربی اورفارسی حروف کواختیار کیا گیا۔چنانچہ اردو کا رسم الخط دراصل عربی وفارسی رسم الخط کی توسیع یافتہ شکل ہے۔اردوجنوبی ایشیا کی وہ نمایاں زبان ہے جسے لکھنے اور پڑھنے کے لیے عربی نظامِ ہجا استعمال کیا جاتا ہے۔اس کا موجودہ رسم الخط نسخ اورتعلیق کے امتزاج سے وجود میں آیا۔خطِ تعلیق کوفروغ دینے کا سہرا حسن بن حسین علی فارسی کے سرجاتا ہےجنھوں نے خطِ رقاع اورخطِ توقیع کے امتزاج سے ایک نیا طرزِ کتابت متعارف کرایا جو بعدازاں سرکاری مراسلات میں استعمال ہونے لگا۔بعد میں خطِ نسخ اورخطِ تعلیق کے باہمی امتزاج سے خطِ نستعلیق وجود میں آیا جس نے غیرمعمولی مقبولیت حاصل کی۔

15.3۔اردواوررسم الخط:۔

ہر ترقی یافتہ زبان کی دو شکلیں ہوتی ہیں، ایک تکلمی اور دوسری تحریری۔ زبان کی تکلمی شکل اس کی قدیم شکل ہے اور تحریری شکل مابعد کا ارتقا ہے۔ دنیا میں آج بھی لاتعداد زبانیں اور بولیاں محض اپنی تکلمی شکلوں میں ہی پائی جاتی ہیں اور تحریری شکلوں سے یکسر محروم ہیں۔ کسی زبان کی تحریری شکل اس کو لکھنے کے طریقے پر مشتمل ہوتی ہے۔ زبان کو لکھنے کے لیے کسی نہ کسی شکل کے حروف بنائے جاتے ہیں جو اس زبان میں صحیح طرح ضبط ہوتے ہوں اور کچھ اصول وضوابط تشکیل دیے جاتے ہیں۔ ان حروف اور اصول وضوابط کو مجموعی طور پر نظامِ تحریر (Writing System) کہتے ہیں۔ گویا تحریر اصولوں کا ایک مجرد نظام ہے۔ اس میں ایک زبان کے لفظوں کی تحریری صورتیں، حروف کی باہمی ترکیبیں اور جملوں کی ترتیب ایک مخصوص نظام کے اصولوں کے تابع کام کرتی ہیں۔ ایک تحریری نظام کے تحت الفاظ اور حروف کی صحیح بصری نمائندگی رسم الخط کہلاتی ہے۔

Wellisch کے الفاظ میں:

> "A script is the set of conventional graphic signs designed to give visual representations to the elements of a writting system."

ہر زبان جو تحریر میں استعمال ہوتی ہے، کا ایک تحریری نظام ہے اور اس کا ایک رسم الخط ہوتا ہے۔ اسی طرح اردو زبان کے لیے بھی ایک مخصوص رسم الخط استعمال میں لایا جاتا ہے۔ رسم الخط تکلمی زبان یا بولی جانے والی زبان کی محض نمائندگی یا ترجمانی کرتا ہے۔ اسے اصل زبان یا بولی جانے والی اصل زبان کا درجہ حاصل نہیں۔ اصل زبان تو تکلمی زبان ہوتی ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ رسم الخط ایسا ہو جو متعلقہ زبان کی صحیح اور سچی ترجمانی کر سکے۔ جو رسم الخط اپنی زبان کی جتنی بہتر اور صحیح نمائندگی کرتا ہے وہ رسم الخط اتنا ہی اچھا اور مکمل سمجھا جاتا ہے۔ اردو زبان کئی دیگر زبانوں کے علاوہ فارسی اور ہندی کا مرکب ہے۔ اردو کی تحریری صورت خطِ فارسی یعنی نستعلیق ہے۔ اردو رسم الخط عربی و فارسی رسم الخط کی توسیع شدہ شکل ہے۔ عربی و فارسی رسم الخط میں بعض ترمیمات و اضافے کے بعد اسے اردو زبان کے لیے اختیار کر لیا گیا، لیکن بنیادی طور پر اردو رسم الخط کا ڈھانچا وہی رہا جو عربی رسم الخط کا تھا۔ عربی رسم الخط میں حروف کی کل تعداد 28 تھی۔

عربی کے یہی 28 حروف آج بھی اردو کے حروفِ تہجی کا جزو ہیں۔ جب عربی رسم الخط ایران پہنچا اور فارسی زبان کے لیے اختیار کیا گیا تو یہ تمام حروف بھی اختیار کر لیے گئے۔ ان کے علاوہ وہاں چار حروف نئے وضع کیے گئے: پ، چ، ژ، گ۔ ان چار نئے حروف کی شمولیت سے فارسی حروفِ تہجی کی کل تعداد 32 ہو گئی۔ یہ تمام 32 حروف من و عن اردو رسم الخط نے بھی اپنے دامن میں پناہ لیے۔ لیکن اردو میں بنیادی آوازیں

ان سے کہیں زیادہ تھیں۔ چنانچہ اردو کے لیے بھی چار نئے حروف وضع کیے گئے، جو یہ ہیں: ٹ، ڈ، ڑ، ے۔ اس طرح اردو حروفِ تہجی کی کل تعداد 36 ہوگئی۔ آج بھی اردو رسم الخط میں کل تعداد 36 حروف ہی پائے جاتے ہیں۔ بعض اہلِ علم ہمزہ (ء) کو بھی حرف تصور کرتے ہیں اور اسے اردو کے حروفِ تہجی میں شامل کرتے ہیں، اس حساب سے حروفِ تہجی کی مجموعی تعداد 37 ہوئی۔ وحید ارشد نے ''نکاتِ نستعلیق'' میں ان کی کل تعداد 38 لکھی ہے۔ ان میں ''ھ'' اور ''ہمزہ (ء)'' بھی شامل ہیں۔

کل حروفِ تہجی میں بے نقط حروف کی تعداد 18 ہے۔ متشابہ حروف یعنی جن کی بناوٹ ایک جیسی ہے وہ 28 ہیں۔ بعض حروف ایسے ہیں جو دوسرے حروف سے نہیں جڑتے۔ اگر وہ لفظ کے شروع میں آئیں تو الگ رہیں، درمیان میں آئیں تو لفظ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں اور اگر آخر میں آئیں تو ان کی شکل بدل جائے۔ ایسے حروف کو ''حروفِ مفرد'' کہتے ہیں، جو تعداد میں 9 ہیں: ا، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، و۔ بقیہ حروف کی تعداد 27 ہے جو ایک دوسرے سے منسلک ہو کر لفظ بناتے ہیں۔ حروف کے علاوہ اعراب و علامات مثلاً زبر، زیر، پیش، الٹا پیش، ہمزہ، تشدید اور جزم وغیرہ بھی اردو رسم الخط میں عربی فارسی رسم الخط سے ہی آئے ہیں۔ علاوہ ازیں اردو کے تحریری نظام میں تنوین، الفِ مقصورہ، الفِ وصل، کسرہ اضافت اور واوِ معدولہ وغیرہ کا استعمال بھی ہوتا ہے جو عربی و فارسی رسم الخط ہی کی دین ہے۔

صوتیاتی اعتبار سے اردو رسم الخط کو ان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے بغیر بھی بولی جانے والی زبان کی تحریری نمائندگی ہو سکتی ہے۔ یعنی ''فوراً'' کو ''فورن''، ''عیسیٰ'' کو ''عیسا''، ''دارالحکومت'' کو ''دارالحکومت''، ''چراغِ محفل'' کو ''چراغے محفل'' اور ''خوش'' کو ''خوش'' بھی لکھا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا اردو صوتیات کی خلاف ورزی نہیں بلکہ عین مطابق ہے، لیکن اردو زبان اور اس کے رسم الخط پر عربی و فارسی اثرات کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ ان عناصر کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اردو میں حرف ''ت'' کی موجودگی کے باعث ''ط'' کو، ''س'' کی موجودگی کے باعث ''ث'' اور ''ص'' کو، اور ''ز'' کی موجودگی کے باعث ''ذ''، ''ض'' اور ''ظ'' کو ترک کیا جا سکتا ہے، لیکن ایسا ممکن نہیں۔ عربی و فارسی رسم الخط کی تقلید کے سبب ہی ایسا نہیں کیا جاتا۔ اردو کا طرزِ تحریر اور اندازِ کتابت ''نستعلیق'' کہلاتا ہے، جو اردو کو فارسی کی دین ہے۔ خطِ نستعلیق کا ارتقا ایران میں ہوا۔ وہاں ایک ایرانی خطاط خواجہ میر علی تبریزی نے عربی کے دو رسوم خط، نسخ اور تعلیق کو ملا کر ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا جو نستعلیق کہلایا۔ اردو کے لیے آج یہی رسم الخط رائج ہے اور یہ اردو کا اپنا رسم الخط بن گیا ہے۔ بعض قدیم تصانیف، بالخصوص دکنی مخطوطات، خطِ نستعلیق کے علاوہ خطِ نسخ اور عربی رسم الخط ''ثلث'' میں بھی پائے گئے ہیں۔

اردو زبان کے لیے عربی فارسی رسم الخط اختیار کیے جانے کے تاریخی اور تہذیبی اسباب ہیں کیونکہ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے

ساتھ عربی فارسی رسم الخط بھی یہاں آیا۔ مختلف اوقات میں یہاں آنے والے مسلمان اگرچہ مختلف زبانیں یعنی عربی، فارسی اور ترکی بولتے تھے لیکن ان کا رسم الخط بنیادی طور پر ایک ہی تھا۔ چونکہ اردو اپنی ابتدائی حالت میں ریختہ کی صورت میں تھی اور اس کے تمام تر مصنفین کم و بیش فارسی یا عربی کے عالم تھے اور ان میں سے بعض نامور ادیب بھی تھے، اس لیے انھوں نے اس نوزائیدہ زبان کے لیے بلا تامل عربی و فارسی رسم الخط ہی استعمال کیا۔ مزید یہ کہ اس زبان میں عربی اور فارسی کے بہت سے دخیل الفاظ بھی شامل تھے، اس لیے عربی و فارسی رسم الخط کے استعمال میں ہی سہولت سمجھی گئی۔ یہ آمیزش اس دور کی زبان کا مزاج بن چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی و فارسی رسم الخط اس زبان کے لیے سب سے موزوں سمجھا گیا۔

سرگرمی (آؤ اپنی معلومات جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ''اُردو رسم الخط'' کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 15.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

۔۔۔۔۔ ایک جدید ہند آریائی زبان ہے جسے ہندوستانی زبان بھی کہا جاتا ہے۔ یہ برصغیر کی سرزمین پر وجود میں آئی، یہیں نشو و نما پائی اور وقت کے ساتھ ایک مکمل اور توانا زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ لفظ ''اردو'' ۔۔۔ زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''لشکر'' یا ''فوجی چھاؤنی'' کے ہیں۔ اس زبان کی ساخت اور تشکیل میں ۔۔۔۔۔ نے بنیادی کردار ادا کیا، جبکہ اس کے ۔۔۔۔۔ کے لیے عربی اور فارسی حروف کو اختیار کیا گیا۔ چنانچہ اردو کا رسم الخط دراصل عربی و فارسی رسم الخط کی توسیع یافتہ شکل ہے۔

15.4۔ عمومی جائزہ:۔

اردو رسم الخط اردو زبان کی شناخت، تہذیب اور ادبی روایت کا ایک اہم جزو ہے۔ ہر زبان کی طرح اردو کی بھی دو شکلیں ہیں: تکلمی اور

تحریری۔تحریری شکل کو منظّم اور موثر بنانے کے لیے رسم الخط کی ضرورت پیش آتی ہے۔رسم الخط دراصل ان اصولوں اور علامات کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے زبان کی آوازوں اور الفاظ کو تحریری صورت دی جاتی ہے۔اردو زبان نے اپنے ارتقائی سفر میں عربی اور فارسی رسم الخط کو اختیار کیا اور مقامی لسانی ضرورتوں کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں اور اضافے کیے،جس کے نتیجے میں اردو رسم الخط اپنی منفرد شناخت کے ساتھ سامنے آیا۔

اردو رسم الخط کی بنیاد عربی رسم الخط پر ہے۔عربی کے اٹھائیس حروف فارسی میں منتقل ہوئے تو فارسی زبان کی مخصوص آوازوں کے اظہار کے لیے چار نئے حروف شامل کیے گئے۔بعدازاں اردو زبان کی صوتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مزید چار حروف وضع کیے گئے۔اس طرح اردو حروفِ تہجی کی تعداد چھتیس قرار پائی۔اردو رسم الخط کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی، فارسی اور برصغیر کی مقامی زبانوں کے اثرات یکجا نظر آتے ہیں۔اردو کا رائج رسم الخط نستعلیق کہلاتا ہے جو اپنی خوب صورتی، دل کشی اور فنی خصوصیات کی وجہ سے دنیا کے بہترین رسم الخطوں میں شمار کیا جاتا ہے۔یہ رسم الخط ایران میں وجود میں آیا اور بعد میں اردو زبان نے اسے اپنا لیا۔نستعلیق نہ صرف ایک تحریری نظام ہے بلکہ اردو تہذیب اور ثقافت کی علامت بھی ہے۔اردو رسم الخط میں اعراب وعلامات،تنوین،تشدید،ہمزہ، جزم،الفِ مقصورہ اور دیگر تحریری عناصر کا استعمال عربی اور فارسی روایات کی یادگار ہے۔اگرچہ صوتی اعتبار سے ان میں سے بعض عناصر ناگزیر نہیں،لیکن تاریخی اور تہذیبی وابستگی کے باعث آج بھی اردو تحریر کا حصہ ہیں۔یہی عناصر اردو زبان کو دوسری زبانوں سے ممتاز بناتے ہیں۔اردو زبان کے لیے عربی وفارسی رسم الخط کا انتخاب محض لسانی نہیں بلکہ تاریخی، مذہبی اور تہذیبی عوامل کا نتیجہ تھا۔مسلمانوں کی آمد کے ساتھ عربی وفارسی زبانیں اور ان کے رسم الخط برصغیر میں پہنچے۔اردو کے ابتدائی ادیب اور شاعر عربی وفارسی سے گہرا تعلق رکھتے تھے،اس لیے انہوں نے نوخیز اردو زبان کے لیے بھی یہی رسم الخط اختیار کیا۔وقت گزرنے کے ساتھ یہ رسم الخط اردو کی شناخت بن گیا۔مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو رسم الخط محض لکھنے کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ اردو زبان کی تہذیبی روایت، ادبی سرمایہ اور تاریخی شعور کا امین ہے۔اس کی حفاظت اور ترویج دراصل اردو زبان اور اس کی ثقافتی شناخت کے تحفظ کے مترادف ہے۔

15.5۔فرہنگ:۔

الفاظ	معنی
نظامِ تحریر	لکھنے کا باقاعدہ طریقہ کار
رسم الخط	زبان کو لکھنے کا مخصوص انداز

تکلمی	بولی جانے والی
تحریری	لکھی جانے والی
مجرد	نظری، غیر مادی
بصری	نظر آنے والی
ترجمانی	نمائندگی، اظہار
توسیع شدہ	پھیلائی ہوئی، وسعت دی گئی
ترمیمات	اصلاحات، تبدیلیاں
وضع	تیار کرنا، ایجاد کرنا
متشابہ	ایک جیسی شکل والے
منسلک	ملے ہوئے، جڑے ہوئے
اعراب	زیر، زبر، پیش وغیرہ کی علامات
صوتیاتی	آوازوں سے متعلق
دخیل الفاظ	دوسری زبانوں سے لیے گئے الفاظ

15.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

1۔ رسم الخط سے کیا مراد ہے؟ اردو رسم الخط کے ارتقا اور اس کی اہم خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیں؟

2۔ اردو رسم الخط کی تشکیل میں عربی اور فارسی رسم الخط کے کردار کا جائزہ لیجیے؟

3۔ اردو رسم الخط میں حروفِ تہجی، اعراب وعلامات اور خطِ نستعلیق کی اہمیت پر مفصل مضمون لکھیے؟

15.7۔مشقی سوالات:۔

1۔ نظامِ تحریر اور رسم الخط میں کیا فرق ہے؟

2۔ اردو حروفِ تہجی کی تعداد کتنی ہے اور اس میں کون سے حروف اردو کے اپنے وضع کردہ ہیں؟

3۔ خطِ نستعلیق کی اہمیت اور خصوصیات بیان کیجیے؟

15.8۔ مشقی سوالات کے جوابات / جوابات سرگرمی:۔

ا۔ نظامِ تحریر ان اصولوں، ضابطوں اور علامات کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے کسی زبان کو تحریری شکل دی جاتی ہے، جبکہ رسم الخط حروف اور الفاظ کی وہ بصری صورت ہے جس کے ذریعے زبان لکھی جاتی ہے۔ گویا رسم الخط نظامِ تحریر کا عملی اور ظاہری روپ ہے۔

2 ۔اردو حروفِ تہجی کی تعداد عموماً 36 مانی جاتی ہے۔ بعض اہلِ علم ہمزہ کو شامل کر کے یہ تعداد 37 قرار دیتے ہیں۔ اردو کے اپنے وضع کردہ حروف ٹ، ڈ، ڑ اور ے ہیں۔

3۔ خطِ نستعلیق اردو زبان کا رائج رسم الخط ہے۔ یہ خط نسخ اور تعلیق کے امتزاج سے وجود میں آیا۔ نستعلیق اپنی خوب صورتی، روانی، توازن اور دل کش اندازِ کتابت کی وجہ سے دنیا کے بہترین رسم الخطوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اردو زبان کی تہذیبی و ثقافتی شناخت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

(جوابات سرگرمی: ا۔اردو، ۲۔ترکی، ۳۔کھڑی بولی، ۴۔رسم الخط۔)

15.9۔ امدادی کتب:۔

محی الدین قادری زور — ہندوستانی لسانیات

شوکت سبزواری — داستانِ زبانِ اردو

احتشام حسین — ہندوستانی لسانیات کا خاکہ

محمود الحسن — لسانیات اور اردو

مرزا خلیل بیگ — اردو زبان کی تاریخ

مرتبہ: مرزا خلیل بیگ — اردو ماخذ سے متعلق مختلف نظریے

Course Contributors and Content Editing:

1. **Dr Farhat Shamim**
   Associate Professor,
   Department of Urdu, University of Jammu

2. **Dr. Parshotam Paul Singh**
   Assistant Professor in Urdu.
   CDOE, Jammu

Content Editing/ Proof reading:

Dr. Parshotam Paul Singh
Assistant Professor in Urdu. CDOE, Jammu
CDOE, University of Jammu, Jammu 2025

© Centre for Distance & online Education, University of Jammu, 2026

* All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the CDOE, University of Jammu.
* The script writer shall be responsible for the lesson/script submitted to the CDOE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

Printed By : Classic Printers/ 2026/50

CENTRE FOR DISTANCE & ONLINE EDUCATION
UNIVERSITY OF JAMMU

SELF LEARNING MATERIAL
FOR
M.A. URDU
SEMESTER - II
SESSION - 2025 ON WARDS

SUBJECT: HISTORY OF URDU LANGUAGE	UNIT I-IV
COURSE CODE URD - 201	LESSON: 1-15

PROF. (DR.) SHOHAB INAYAT MALIK
COORDINATOR P.G. URDU

DR. PARSHOTAM PAUL SINGH
TEACHER INCHARGE

http:/www.distanceeducationju.in
Printed and published on behalf of the centre for Distance & Online Education, University of Jammu by the Director, CDOE, University of Jammu.